READING POINT
کاسہِ ذات
قراۃ العین خرم ہاشمی
http://readingpointpk.blogspot.be
Emaan E Ayesha
http://readingpointpk.blogspot.be

اسلام علیکم!

ہمیں اپنے Blog Kitabdost

http://kitabdostpk.blogspot.be

اور readingpoint

http://readingpointpk.blogspot.be

کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں

maisrasultan@gmail.com

فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

مکمل ناول

کاسۂ ذلت

قراۃ العین خرم ہاشمی

شہر کے پوش علاقے میں بنے، سفید رنگ کے گیٹ کے سامنے بلیک کرولا کا ہارن بجا تو مستعد چوکیدار نے فوراً گیٹ کھول دیا۔ بڑے سے پورچ میں خاموشی کا راج تھا۔ اسے تعجب ہوا۔ اسے ملی اطلاع کے مطابق وہ دونوں اس وقت گھر پر موجود تھے۔ پھر بھی وہ اسے خوش آمدید کہنے باہر نہیں آئے تھے۔ نئے بنے رشتے پر یہ دوسری گانٹھ لگی تھی۔ پہلی گانٹھ اس رشتے کے بننے سے بہت پہلے ہی لگ چکی تھی۔

اور ابھی نجانے قدم قدم پر ایسی کتنی ہی چھوٹی بڑی گانٹھیں لگنی تھیں۔ اپنے سے آگے چلتے مرد کی رہنمائی میں وہ پورے اعتماد سے گھر کے اندر داخل ہوئی۔ خوب صورت لاؤنج میں بڑی سی اسکرین کے سامنے وہ دونوں موجود تھے۔ پاس کھڑی ملازمہ کے متوجہ کرنے پر دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے ہر دل عزیز باپ کے پہلو میں کھڑی اس عورت کو دیکھنے لگے، جو ان کی ماں بننے کا دعویٰ کر کے یہاں تک پہنچی تھی۔

وہ دونوں بچے یہ بات پچھلے پانچ مہینے سے جانتے تھے، وہ زاپنے باپ کی زبانی سنتے بھی تھے مگر آج جب یہ دن ان کی زندگی میں آیا، تو ان کا معصوم دل ماننے سے انکاری ہو گیا۔

باپ نے دوسری شادی کرنے سے پہلے اپنے انتخاب سے بچوں کو ملوایا۔ پھر بالآخر پانچ ماہ بعد وہ

PakiBooks.Site
www.PakiBooks.Site

عورت ان کی ماں کے درجے پر فائز ہو ہی گئی۔

باپ نے پیار سے ان دونوں کو اپنے پاس بلایا۔ تو وہ جھجکتے ہوئے آگے بڑھے۔

''السلام علیکم!''

بلیک ساڑھی میں اس کا متناسب سراپا اور کھلا کھلا رنگ، دیکھنے والی آنکھوں کو متاثر کر رہا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھی۔ اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے دونوں بچوں کو گلے سے لگالیا۔ جب اسے اچانک فیصل کے کہے کچھ جملے یاد آئے۔

''میری زندگی میرے بچے ہیں۔ اگر وہ تمہارے ساتھ ایڈجسٹ نہ کر سکے تو.....''

اس کی سرد آواز کی سرگوشی اس کے اطراف چکرائی۔ اس عورت نے دونوں بچوں کو خود سے الگ کیا۔ اسے اس نئے رشتے پر لگی پہلی گانٹھ یاد آئی تھی۔ اسے آج بھی وہ شام اور ادھوری بات نہیں بھولی تھی۔ جب اسے پرپوز کرتے ہوئے اس نے یہ شرط رکھی۔ یعنی اس کی ذات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ صرف آزمائے جانے کے لیے کسی کے گھر جا رہی تھی۔ اگر سامنے کھڑے مرد نے ہاتھ تھامتے ہوئے مخلص ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا تو پھر وہ کیوں ایسا سوچتی۔

''مجھے اپنے بچوں سے بہت محبت ہے!''

اس مرد نے دوبارہ یاد دہانی کروائی تو اس عورت نے نرمی سے مسکرا کر ان کے معصوم چہروں پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

مگر اس کے لمس میں گرم جوشی نہیں، ایک عجیب طرح کی سرد مہری تھی، جسے صرف وہ دونوں بچے ہی محسوس کر سکے۔ ان کا باپ چہرے پر فخریہ مسکراہٹ سجائے انہیں دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

''اماں! آج کیا پکانا ہے؟''

سارے گھر کی اچھی طرح صفائی ستھرائی کرنے کے بعد وہ ہاتھ دھو کر دوپٹے سے پونچھتے ہوئی صحن میں بیٹھی اماں کے پاس آئی۔ اماں سردیوں کی نرم گرم دھوپ کے مزے لیتے ہوئے، سخت بے مزہ ہوئیں اور منہ بنا کر بولی۔

''بانو سے پوچھ۔ مجھے کیا پتا۔ جو اس مہارانی کا دل کرے گا، وہی تو پکے گا اس گھر میں، میری کیا مجال کہ میں کچھ بول سکوں۔'' حسب معمول اماں نے چڑ کر جواب دیا۔

''بانو بھابھی تو ابھی سو کر نہیں اٹھی ہے۔'' رانی نے دھیرے سے کہا۔ بانو اکثر دیر سے سو کر اٹھتی تھی۔ رفیق صبح سویرے کام پر چلا جاتا تھا۔ اسے ناشتہ دینے کی ذمہ داری بھی رانی کے سر تھی۔ اور تو اور اس کے چاروں بڑے بچوں کو تیار کر کے، ناشتا کروا کر اسکول بھیجنا بھی اس کے ذمے تھا، جب کہ ان کا چھوٹا مدثر ابھی سال کا ہوا تھا۔ وہ بھی ماں سے زیادہ رانی کے پاس پایا جاتا۔

''اس مہارانی کو کیا فرق پڑے گا۔ اس نے ناشتہ اس وقت کرنا ہے، جب باقی سب دوپہر کا کھانا کھا کر فارغ بھی ہو جائیں گے۔ تو ایسا کر دال چاول بنا لے۔ ساتھ پودینے کی چٹنی اور پیاز بھی تیار کر لینا اور ہاں پچھلی بار کی طرح دال سخت نہ ہو۔ دھیان سے کام کیا کر۔ تو بھی پتا نہیں کن خیالوں میں کھوئی رہتی ہے۔'' اماں اپنی جگہ سے اٹھ کر سامنے بنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد باہر نکلی تو سر پر چادر اوڑھی ہوئی تھی۔

''میں ذرا محلے کا ایک چکر لگا آؤں، کافی دنوں سے کسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' اماں کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

آج رانی کا دل بہت بھرا ہوا تھا۔ بار بار اس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ شاید یہ پچھلے کئی دنوں کی بیماری کا اثر تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے وہ جس ذہنی اور جسمانی کرب سے گزری تھی، وہ وہی جانتی تھی، کلی کھلنے سے پہلے ہی اس کی کوکھ میں مرجھا گئی۔ رانی نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی گود کے خالی پن کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ نجانے کب چاول چنتے چنتے

www.PakiBooks.Site

ماضی کی بھول بھلیوں میں کھو گئی۔

☆☆☆

رانی چھ بہنوں میں تیسرے نمبر پر تھی۔ غربت میں آنکھ کھولی اور پلی بڑھی۔ بڑی دو بہنوں کی شادی خاندان میں دور کے رشتے داروں میں بہت سادگی سے ہوئی۔ وہ دونوں بمشکل اکیس سے بائیس سال کے درمیان تھیں جب باپ کی مرضی پر سر جھکائے خاموشی سے رخصت ہو گئیں۔ گھر میں ابا کا بہت رعب تھا۔ اماں یا کسی کی بھی جرأت نہیں تھی کہ ان کے آگے بول سکے۔

اماں تھوڑے سے پیسوں میں گھر چلانے کی تگ و دو میں لگی رہتی۔ ابا ٹرک چلاتا تھا۔ اس لیے جب وہ گھر سے باہر ہوتا، تو وہ وقت ان سب کے لیے آزادی اور خوشی کا ہوتا تھا۔

رانی بہت شرارتی اور تیز تھی۔ بڑی بہنوں کی نسبت اس میں بغاوت کے جراثیم وافر مقدار میں پائے جاتے۔ وہ ان سب سے زیادہ ذہین اور دور تک سوچنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ وہ گھر میں بھی رہتی تو اودھم مچائے رکھتی۔ جان بوجھ کر اماں کو تنگ کرتی، ستاتی اور ان سے ڈانٹ سنتی۔ اکثر اسے مار بھی پڑ جاتی مگر وہ ضدی تھی۔ اس کا مزاج اپنے باپ کی طرح تھا۔ نہ دبنے والا۔ حاکمیت اور ضد سے بھرا۔

مگر حالات اور اس کی کم عمری کی وجہ سے اس کی فطرت ابھی کھل کر سامنے نہیں آئی اور وہ دب کر رہ گئی۔

رانی سولہ سال کی تھی۔ جب اس کے لیے پہلا رشتہ آیا اور اس کے لیے آئے پہلے رشتے پر ابا نے، کسی تحقیق کے بغیر فوراً ہاں کر دی۔ رانی کی آواز کو دبا کر، اسے رسموں اور رواجوں کی بڑی بڑی زنجیریں پہنا کر رخصت کر دینے کا سندیسہ سنا دیا گیا تو وہ حیران و پریشان رہ گئی۔ اس نے ابھی خواب دیکھنے شروع کیے تھے۔ وہ اپنی بڑی بہنوں کی طرح سر جھکائے کسی بھی کھونٹے سے نہیں بندھنا چاہتی تھی۔ اسے زندگی جینے کی خواہش تھی۔ اور وہ جینا چاہتی تھی مگر.....!

ابا کو صرف بیٹیوں کو رخصت کرنے سے غرض تھی۔ اس لیے نہیں کہ ابا کو اپنی بیٹیوں کے اچھے اور محفوظ مستقبل کی بہت فکر تھی۔ بلکہ اس لیے کہ ابا کو چھ بیٹیاں بوجھ لگتی تھیں۔ اس لیے وہ جلد از جلد اس بوجھ سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

لائن سے لگی چھ بیٹیاں سامنے سے ہٹتیں تو، سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے بھی نظر آتے۔ جن کے اچھے مستقبل کے لیے ابا اکثر سوچ میں ڈوبا رہتا۔ ابا اپنے منہ کے نوالے بھی انھیں کھلا دیتا۔ ابا کے لیے احمد اور اصغر بازوؤں کی طرح تھے۔ رانی نے بامشکل میٹرک کے امتحان دیے تھے۔ وہ پڑھنے میں بہت ذہین نہیں مگر محنتی تھی۔ رٹا لگا کر پاس ہو ہی جاتی۔ اس نے میٹرک کے امتحان کی تیاری بہت مشکل سے کی تھی۔

اسکول جانا اور پڑھنا ایک عیاشی کی طرح تھا مگر اس نے ضد اور رو دھو کر اسکول نہیں چھوڑا۔ اماں بھی اس کا شوق دیکھ کر چپ ہو جاتی۔ وہ ماں تھیں اس لیے اپنی اولاد کے سامنے کمزور پڑ جاتی۔ ابا نے بھی زیادہ اعتراض اس لیے نہیں کیا کہ جب تک اس کا کوئی رشتہ نہیں آتا، اسے پڑھنے دو اور جب اس کا رشتہ آیا تو ابا نے ایک لمحے کی دیر کیے بغیر ہاں کر دی اور اس کی ساس نے مسکراتے ہوئے نشانی (شگن) کے طور پر کڑکڑاتا ہوا سو کا نوٹ اس کی گوری ہتھیلی پر رکھا۔ یوں وہ ایک انجان شخص اکرم کے نام سے منسوب ہو گئی۔

☆☆☆

رانی کا ہونے والا سسرال کافی بڑا تھا۔ اس کے سسرال میں ایک عدد بوڑھی ساس، تیز و عیار جیٹھ اور جٹھانی، جن کے اس وقت چار بچے بھی تھے اور اس کی چار عدد بیاہی ہوئی نندیں، جو آس پاس ہی رہتی تھیں۔ اکرم سب سے چھوٹا اور لاڈلا تھا۔ اس

www.PakiBooks.Site

کے لیے سوہنی دوہنی لانے کا ارمان ماں اور بہنوں کو جانے کب سے تھا۔ اس لیے رانی کو دیکھتے ہی انھوں نے رشتہ دے دیا۔ ایک تو رانی خوب صورت تھی اور دوسرے کم عمر بھی۔

رانی کی ساس یعنی اماں نے بتایا کہ اکرم اپنے بھائی رفیق کے ساتھ ہی اپنی زمینوں پر جاتا ہے۔ گھر اپنا اور ذاتی ہے۔ ابا کو یہ رشتہ دل و جان سے پسند آیا کہ لڑکا کماؤ پوت ہے۔ بھلے دیکھنے میں مناسب اور رانی سے کچھ سال بڑا تھا مگر ابا خوش تھا کہ لڑکے والوں نے کسی قسم کی کوئی خاص فرمائش نہیں کی اور نہ ہی جہیز مانگا تھا۔

بلکہ ابا کے کہنے پر وہ سادگی سے شادی کرنے پر راضی ہو گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ انھیں بس لڑکی چاہیے۔ اماں نے ہمیشہ کی طرح ابا کی مرضی پر سر جھکا دیا۔ یہ رشتہ دوسرے گاؤں سے، رشتہ کروانے والی مائی جیراں لے کر آئی تھی۔ جوان کے گھر کے حالات سے بہت اچھی طرح واقف تھی۔ ابا نے اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے فوراً ہاں کر دی تھی۔

دو مہینے کے بعد جون کی ایک تپتی شام میں، چند قریبی رشتہ داروں کی موجودگی میں رانی کی قسمت کی ڈور دولہا بنے اکرم کے ہاتھ میں تھما دی گئی۔ چونکہ شادی بہت سادگی سے ہو رہی تھی اس لیے مہمانوں کی تواضع لال شربت اور تھوڑی سی مٹھائی سے کی گئی۔ جس پر وہاں بیٹھے مہمانوں نے بہت منہ بنایا مگر ابا نے اپنی ایک اور ذمہ داری کو خوشی اور سکون کے ساتھ رخصت کر دیا۔

نئے لوگ اور نئی جگہ کا خوف، اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ وہ سر جھکائے وین میں عورتوں کے جھرمٹ میں پھنس کر بیٹھی ہوئی تھی۔ بھانت بھانت کی آوازیں، بچوں کے رونے چلانے کا شور، شدید گرمی، ریشمی جوڑا پہنے وہ حواس باختہ ہو رہی تھی۔ اوپر سے گاڑی چل کم اور جھٹکے زیادہ کھا رہی تھی۔ اللہ اللہ کر کے بس ایک گھر کے سامنے رکی۔

رانی نے دل میں شکر ادا کیا اور اپنی چھوٹی نند رخسانہ کے کہنے پر آہستہ سے وین سے نیچے اتری۔ پکی گلی میں بنا دس مرلے کا گھر اس کے سامنے تھا۔ گھر کے باہر سجی رنگ برنگی جھنڈیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ ہی شادی والا گھر ہے۔ رانی نے ایک نظر ڈال کر سر جھکا لیا اور آگے چلتی عورتوں کی رہنمائی میں دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی گھر کے اندر داخل ہوئی۔

میکے کی طرح، رانی کا سسرال میں استقبال بھی اسی طرح ہوا جیسے سر سے کوئی مصیبت اتاری گئی ہو۔ نہ کوئی شگن کیا گیا اور نہ ہی کوئی رسم ادا ہوئی۔ شاید اس کی عزت اور اہمیت کا تعین، اس کی رخصتی کے وقت، باپ کی حیثیت اور رتبے سے ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ بھی اسے زیادہ اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔

گھر کے اندر بڑے سے صحن میں بچھی رنگین پایوں والی چارپائی پر اسے بٹھا کر وہ سب آپس میں باتوں میں مصروف ہو گئے۔ تین گھنٹے کی مسافت سے زیادہ، بارات کے روکھے پھیکے استقبال نے سب کو تھکا دیا تھا۔ اوپر سے کھانا بھی نہیں ملا۔ سب کا بھوک سے برا حال تھا۔ اس کے پاس بیٹھ کر ہی، اس کے گھر والوں کی برائیاں شروع ہو گئیں۔ وہ لال جوڑے میں گھبرائی اور سہمی ہوئی سی بیٹھی، ان کی باتوں پر پہلو بدلتی رہی۔

''شکر کریں اماں۔ ابھی ہم صرف گھر کے لوگ ہی گئے تھے بارات لے کر۔ سوچیں اگر خاندان کے لوگ بھی موجود ہوتے تو کتنی باتیں بناتے۔'' بڑی نند ثریا نے منہ بنا کر اعتراض کیا تھا۔

''دلہن کے ابا نے شرط رکھی تھی کہ رخصتی سادگی سے اور صرف گھر کے لوگوں کی موجودگی میں ہو گی کہ وہ زیادہ خرچہ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر مجھے کیا پتا تھا کہ اتنے کنجوس ہوں گے کہ بارات کو بغیر کھانا کھلائے ہی رخصت کر دیں گے۔ جیسے بیٹی رخصت نہیں کی بوجھ اتار کر پھینکا ہے۔ ارے او ارشد بیٹا۔ تو ہی ہمت کر

www.PakiBooks.Site

اور قریبی تندور سے نان ہی لے آ۔ ہائے میری تو بھوک کے مارے جان نکل رہی ہے۔'' اماں نے اپنے بڑے داماد (ثریا کے شوہر) سے کہا۔ جو اپنے بچوں کو بھی بھوک سے روتا دیکھ رہا تھا۔ اس لیے فوراً اپنی جگہ سے اٹھا۔ ساس سے پیسے پکڑ لیے اور سر ہلاتا گھر سے باہر نکل گیا۔

''شکر کریں کہ آپ کے ''ہیرے جیسے قابل'' بیٹے کو، کسی نے اپنی بیٹی دے دی ہے۔ اعتراض تو ایسے کر رہی ہیں جیسے اپنے عیبوں کا پتا نہیں ہے۔''

بانو نے طنز کے تیر چلائے اور اپنا پرانده لہراتی ہوئی، کمرے کی طرف چلی گئی۔ نئی بہو کا خیال کرتے ہوئے، اماں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس کی طبیعت صاف کر دیتی۔ پاس بیٹھی ثریا اور رخشندہ نے بھی ماں کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کر کے چپ رہنے کا کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہی ارشد گرم گرم نان لے کر آ گیا۔ وہ قریبی تندور سے بیسن اور آلو والے نان کے ساتھ دہی بھی لے آیا۔ سب ہی بھوکے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس لیے کھانے پر ٹوٹ پڑے اور مزے لے کر کھانے لگے۔ رانی کے آگے ٹرے رکھ کر سب کھانے میں مصروف ہو گئے۔ رانی کا گرمی سے برا حال ہو رہا تھا۔ پتا نہیں اسے وہاں بیٹھے کتنی دیر ہو گئی تھی، جب اس کی ساس نے چھوٹی بیٹی کو اشارہ کیا اور وہ اسے بازو سے پکڑ کر ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گئی۔

''یہ ہے آپ کا کمرا رانی بھابھی۔'' رخسانہ نے کمرے میں پہنچ کر کہا۔ رانی نے ایک سرسری سی نگاہ ڈالی۔ کمرا روایتی طریقے سے سجایا گیا تھا۔

''آپ آرام کریں۔ پتا نہیں اکرم بھائی کب تک آئیں گے۔ ابھی تو اپنے یار، دوستوں کے ساتھ مصروف ہیں۔'' رخسانہ نے اسے پلنگ پر بٹھایا اور آرام کا مشورہ دیتے ہوئے دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی۔ رانی نے پہلی بار سکون کا سانس لے کر ٹیک لگائی۔ باہر کی نسبت کمرا ٹھنڈا تھا۔ کتنی ہی دیر وہ ایسے ہی نیم دراز لیٹی اپنی زندگی میں آنے والی اس تبدیلی کے بارے میں سوچتی رہی۔ اب تک تو سب اس کی توقعات کے برعکس ہی ہوا تھا۔

''پتا نہیں ان کا مزاج کیسا ہوگا؟'' رانی نے دھڑکتے دل کے ساتھ سوچا۔ سارے سفر میں بس ایک یا دو بار ہی اکرم کی جھلک دیکھ پائی تھی۔ اسے اکرم اچھا لگا تھا۔ شاید یہ اس نئے رشتے کا کمال تھا کہ وہ اس کے بارے میں سوچتے ہوئے مسکرانے لگی۔ یوں ہی سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ اسے سوئے ہوئے کچھ دیر ہی گزری تھی جب کمرے میں گرنے والی کسی چیز کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ڈر کر اٹھ بیٹھی مگر اکرم کو کمرے میں دیکھ کر اس کے حواس بحال ہوئے تو اسے یکدم ہی شرم نے گھیر لیا۔

اکرم آگے بڑھا۔ رانی خود میں سمٹی تھی۔ رانی کو لگا جیسے اکرم کچھ بول بھی رہا ہے مگر الفاظ رانی کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ شاید وہ بہت گھبراہٹ کا شکار تھی۔

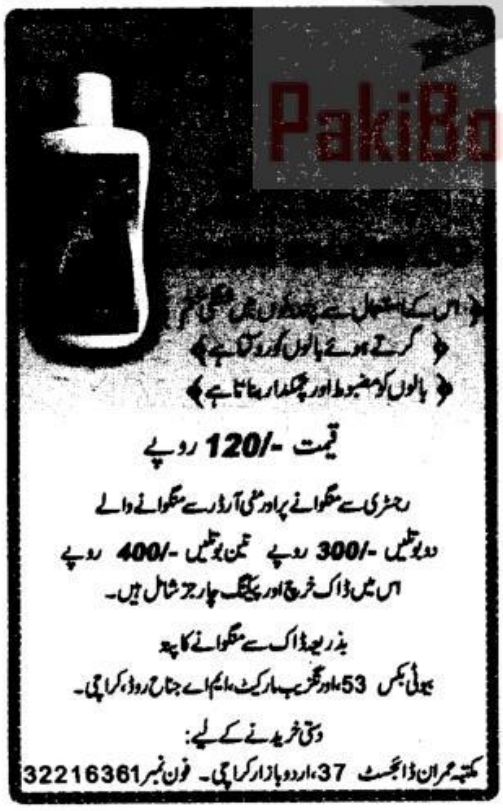

www.PakiBooks.Site

اکرم چیزوں سے ٹھوکر کھاتا آگے بڑھا اور پلنگ کے پاس آکر ایک دم ہی بستر پر ڈھیر ہوگیا۔

رانی پاؤں پیچھے کرتی ساکت رہ گئی۔ وہ ہکا بکا اپنے قدموں کے پاس بے سدھ پڑے اکرم کو دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ جاننے میں دیر نہیں لگی کہ اکرم نشے میں تھا۔ وہ ساری رات اسی صدمے کی حالت میں، اپنی زندگی کے اس بھیانک پہلو پر سوچتی رہی۔ صبح جب موذن کی آواز کانوں سے ٹکرائی تو اس کے بے جان وجود میں ہلچل ہوئی اور اس کی منجمد آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی دروازہ کھول کر باہر نکلی تو سب سے پہلے اس کا سامنا، وضو کر کے اپنی کمرے کی طرف جاتی اماں سے ہوا۔ اماں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس پر سے ہوتی ہوئی ان کی نظر پلنگ پر بے سدھ پڑے اکرم پر پڑی تو وہ نظریں چرا کر رہ گئی۔

''رانی بیٹی۔ تُو کپڑے بدل لے۔ آ ادھر میرے ساتھ۔'' اماں اس کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے میں لے گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اکرم کی اس حرکت کے بارے میں کسی اور کو پتا چلے۔ رانی گم صم سی اس کے پیچھے چل پڑی۔ اماں کے بستر پر نیند میں گم ہوتے ہوئے وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی زندگی میں سکھ کے سانس اور سکون کی بہت کم نیندیں لکھی گئی ہیں۔

☆☆☆

نئی مما کے آنے سے ان کے گھر اور زندگی میں بہت تیزی سے تبدیلی رونما ہوئی۔ نئی مما نے آتے ہی سمجھ داری سے ہر چیز اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ ہر دیکھنے والی آنکھ کے لیے وہ ایک محبت کرنے والی، اپنے گھر سے مخلص اور وفا شعار ماں کے روپ میں تھی۔ بچے تو بچے، شوہر بھی اس کے گن گاتا تھا۔ وہ تھی ہی اس قابل۔ سب اس کی کرشمہ گری تھی کہ ہر چیز اس کے آنے سے سج گئی۔ وہ فیری ٹیل کی کسی ملکہ کی طرح سب کو اپنے بس میں کرنا جانتی تھی۔

سسرال میں تھا ہی کون؟ صرف ایک بڑی نند فریحہ، جو شادی کے بعد کئی سالوں سے دبئی میں مقیم تھی۔ اس لیے کسی کی روک ٹوک کا ڈر نہیں تھا۔ وہ یہاں کی بے تاج ملکہ تھی۔ فیصل جو اس سے شادی کرنے سے پہلے کئی طرح کے وسوسوں کا شکار تھا۔ اب بہت خوش اور مطمئن رہتا۔ فیصل کو اپنے فیصلے اور انتخاب کی درستی پر فخر ہونے لگا۔ طوبیٰ کے مرنے کے بعد وہ بہت اکیلا اور تنہا ہوگیا تھا۔

دونوں بچوں کی ماں سے محرومی کا احساس اسے قدم قدم پر پریشان کرتا تھا۔

فریحہ آپی اس کی فکر و پریشانی میں مبتلا رہتی تھیں اور اسے بار بار دوسری شادی کرنے کا مشورہ دیتیں۔ فیصل خود بھی یہ بات سمجھتا تھا کہ اکیلے زندگی گزارنا اس کے لیے بھی ممکن نہیں ہے مگر وہ بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ اس لیے جب اس نے دوسری شادی کا ارادہ کیا تو بہت سوچ سمجھ کر اور ہر پہلو کا جائزہ لینے کے بعد رانیہ کو اپنے بچوں سے ملوایا تھا۔

رانیہ سے اس کا پہلا تعارف کچھ عرصہ پہلے ہی ہوا تھا۔ وہ اس کے آفس میں کچھ عرصہ قبل بطور ریسپشنسٹ آئی تھی۔ اس کا با اعتماد انداز اور خوب صورتی سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔ فیصل اور وہ بہت جلد ایک دوسرے کے قریب آئے تھے۔ فیصل اپنے طور پر اسے اچھی طرح جانچ اور پرکھ رہا تھا اور جب اسے یقین ہوگیا اب مستقبل میں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا تو اس نے اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنایا۔

ایک دن سادگی سے نکاح کر کے اسے اپنے گھر لے آیا۔ فریحہ آپی فوراً پاکستان نہیں آسکتی تھیں۔ اس لیے فون اور انٹرنیٹ پر ہی اسے دیکھ کر اور بات کر کے تسلی کر لی۔ یوں رانیہ اس کے گھر اور زندگی میں بہار کا تازہ جھونکا بن کر چھا گئی۔

ایک سال اتنی جلدی گزرا جیسے آنکھ جھپکی ہو۔ ان ہی دوڑتے بھاگتے دنوں میں، ایک دن شرماتے، جھجکتے ہوئے رانیہ نے اسے ''خوش خبری'' سنائی۔ تو وہ بہت حیران ہوا، پھر خوشی سے جھوم اٹھا۔ رانیہ اسے

www.PakiBooks.Site

خوش دیکھ کر مطمئن ہوگئی۔ ایک خدشہ جو کبھی کبھی اس کے ذہن میں ڈنک مارتا تھا، وہ آج ختم ہوگیا تھا۔

رانیہ بہت خوش تھی۔ اسے محسوس ہوتا کہ جیسے ساری بادشاہت اسے ملنے والی ہو۔ آنے والے وقت کا ایک خوش کن خواب اس کی آنکھوں میں سج گیا تھا۔ بہت جلد اس گھر میں ان دونوں کا بچہ بھی اس پیار میں حصے دار بننے کے لیے اس دنیا میں آنے والا تھا۔

رانیہ کو بے چینی سے بس اس وقت کا انتظار تھا۔ جواب زیادہ دور نہیں رہا تھا۔ وہ مطمئن اور خوش تھی کہ سب اس کی مرضی اور سوچ کے مطابق ہو رہا ہے۔ ان دنوں وہ بنا پروں کے ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ مضبوط ہوتے قدموں نے اس کے سب ڈر اور خوف مٹا دیئے تھے۔

☆☆☆

اکرم ہر لحاظ سے اس کی سوچوں سے ہٹ کر نکلا تھا۔ شروع کا کچھ عرصہ تو وہ شرمائی گھبرائی سب کی ایکسرے کرتی نظروں سے ہی خائف رہی تھی۔ اس لیے وہ ٹھیک سے کسی بات کا اندازہ نہیں لگا سکی۔ پھر جب اس پر گھر کی ذمہ داری پڑی تو اسے اپنی حیثیت کا ایک بار پھر اندازہ ہوا۔

سارے گھر پر جیٹھ اور جٹھانی کا راج تھا۔ سارا حساب کتاب، لین دین، ملنا ملانا، سب وہ لوگ کرتے تھے۔ ساس معزول حکمران کی طرح، چارپائی پر بیٹھ کر حکم چلانے کی ناکام کوشش کرتی رہتی۔ اکثر اماں کا کھوٹا سکہ بھی چل جاتا کیونکہ بہر حال وہ گھر کی بڑی بزرگ اور ان کی ماں تھی۔ اس لیے بہت سی جگہوں پر دونوں بیٹوں کو ماں کی بات سننی ہی پڑتی۔

رانی اس گھر کا سب سے کم زور فرد تھی۔ اس کا شوہر گھر میں ٹکتا ہی نہیں تھا۔ یار، دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے والا، کبھی کما کر گھر نہیں لایا۔ اس لیے اس کی حیثیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ تیزی سے گزرتے دن رانی کو یہ احساس دلانے لگے کہ آنے والا وقت اس کے لیے بہت مشکل ثابت ہوگا۔ وہ والدین کے گھر بھی بہت خوش حال زندگی نہیں گزار رہی تھی مگر وہاں اتنی مشکلیں اور سختیاں بھی نہیں تھیں۔ شادی کے بعد وہ بامشکل دو سے تین بار ہی اپنے میکے جا سکی تھی۔ نہ تو اس کے والدین کی یہ خواہش تھی کہ وہ زیادہ آئے جائے اور نہ سسرال والے چاہتے تھے کہ وہ آئے روز میکے جا کر بیٹھ جائے۔ کیونکہ ان لوگوں کو مفت کی نوکرانی مل گئی تھی جس کے کندھوں پر سارے گھر کی ذمہ داری ڈال دی گئی تھی۔ اکرم سے شادی کے عوض، اسے جو چار دیواری کا تحفظ اور تین وقت کی روٹی مل رہی تھی، اس کا معاوضہ ادا کرنے کے لیے اسے کولہو کے بیل کی طرح کام کرنا پڑتے تھے۔

رانی نے پہلے پہل گھبرا کر اپنی ماں سے بات کرنا چاہی۔ ماں نے پہلی شکایت سنتے ہی اسے ٹوک دیا۔

"آئندہ سسرال کی بات میکے میں نہیں کرنا۔ اچھی بیٹیاں اپنا گھر بسانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔" رانی ٹکر ٹکر ماں کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

وہ اپنا درد، اپنا خوف، اپنی تکلیف کس سے کہتی؟ ماں باپ نہیں تو اور کون؟ بڑی بہنیں اپنے اپنے گھر بار والی، اور چھوٹی بہنیں ابھی معصومیت کی سرحد پر تھیں۔ انھیں اپنے دکھ سنا کر وہ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے صبر کی بوسیدہ چادر اوڑھ کر ماں باپ کے گھر سے نکل آئی مگر اس کی بوسیدہ چادر میں خواہشوں اور محرومیوں کے بہت سے سوراخ تھے۔ جہاں سے شکوے شکایت کی تند و تیز ہوائیں اکثر اندر آتی رہتیں اور تن من کو سلگا دیتیں۔

رانی صبح سویرے اٹھ جاتی۔ سب سے پہلے اماں کو ناشتہ بنا کر دیتی۔ اس کے بعد باری باری جو بھی اٹھتا، رانی اسے گرم گرم ناشتا پیش کرتی۔ ساتھ ساتھ گھر کے باقی کام بھی نبٹاتی جاتی۔ جانوروں کے چارے سے لے کر باڑے کی صفائی ستھرائی تک اس کی ذمہ داری تھی۔ آئے روز کے مہمانوں اور نندوں کی آمد اس پر اضافی بوجھ تھا مگر وہ دم سادھے سب کا حکم بجا

www.PakiBooks.Site

لاتی۔ شکوہ کس سے کرتی اور کس بل بوتے پر۔

وہ جس زمین پر کھڑی تھی نہ وہ اس کی اپنی بنی اور نہ سر پر تنا ہوا آسمان اس کا ہوا۔ کبھی کبھی اسے لگتا کہ جیسے وہ کرائے کے زمین اور آسمان تلے رہ رہی ہے۔

رانی بہت ڈرپوک یا دبو قسم کی لڑکی نہیں تھی مگر وہ بولتی تو کس کی شہ اور پشت پناہی پر؟ یہاں چھوٹی سے چھوٹی غلطی اسے گھر سے باہر نکال سکتی تھی۔ وہ اسی ہونے اور نہ ہونے کے درمیان گھن چکر بنی اپنا وقت کاٹ رہی تھی۔ پچھلے کچھ دنوں سے اس کی طبیعت خراب تھی۔ وہ اپنی حالت سے ناواقف، سب سے بہت بے زار اور اکتائی ہوئی تھی۔

ایک دن صبح کے وقت، اسے الٹیاں کرتے دیکھ کر جہاں اماں ٹھٹکی۔ بانو بھی اپنے کمرے سے فوراً باہر نکل آئی اور اس کا جائزہ لینے کے بعد اس نے سارا گھر ہی سر پر اٹھالیا۔

''لو جی ہم نے کیا مفت خوروں کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ پہلے ہی اس گھر میں بیٹھ کر کھانے والے کم ہیں جو نئے مہمان کی تیاری کی جا رہی ہے۔ بی بی یہ کارنامہ سرانجام دینے سے پہلے اپنے حالات بھی دیکھنے تھے۔ شوہر تمہارا دنیا جہاں کا نکما اور نکھٹو ہے۔ اسے سوائے دوستیاں نبھانے کے دوسرا کوئی کام نہیں آتا۔ تم کس برتے پر اس بچے کو دنیا میں لاؤ گی؟ تمہارا بوجھ ہم اٹھا رہے ہیں کیا یہ کافی نہیں ہے؟

رانی آنسو پیتی خاموشی سے سر جھکائے کونے میں بنے باورچی خانے میں چلی گئی۔ اپنے جیٹھ اور بت بنے شوہر کے سامنے اسے مزید تماشا بننا منظور نہیں تھا۔

''کیوں صبح سویرے اپنی نحوست کا رونا رو رہی ہے؟ مت بھول کہ یہ گھر اور زمینیں دونوں بھائیوں کی سانجھی ہیں۔

ارے کچھ شرم کر، ابھی کچھ مہینے پہلے مدثر کی پیدائش پر تیرے مشکل وقت میں اس نے تیرا کتنا ساتھ دیا۔ تو بس ملکہ عالیہ بنی پلنگ توڑتی رہی اور چھوٹے مدثر کو یہ بے چاری سنبھالتی رہی۔ سارا گھر بھی اور تیرے روز، روز کے آئے بھوکے ننگے رشتہ داروں کو بھی۔ جو مبارک باد دینے کے بہانے آتے اور کھانا کھائے بغیر نہیں جاتے تھے۔''

اماں کی فراٹے بھرتی زبان نے کیا رکنا تھا، ساتھ ہی بانو کی چیختی چلاتی آواز سے گھر میں عجیب سا شور پیدا ہو گیا۔ فیاض، ماں اور بیوی دونوں کو چپ کروانے کی کوشش کرنے لگا۔ جبکہ اکرم خاموشی سے گھر سے نکل گیا۔ چولہے کے سامنے، رانی سر جھکائے پیڑھی پر بیٹھی، لکڑیوں کی راکھ میں تنکا پھیرتے ہوئے، صحن سے آتی آوازوں پر آنسو بہا رہی تھی۔

یہ سچ تھا کہ اس نے شادی کے بعد سے اس گھر اور یہاں کے مکینوں کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر اسے اس نئے رشتے اور یہاں کی زندگی سے سوائے طعنوں، ذلت اور بے رخی کے کچھ نہیں ملا تھا۔ شادی خوشی کا نام نجانے کن لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔ اس نے تو آئے روز نئے نئے امتحان ہی دیکھے تھے۔ بیس سال کی عمر میں وہ غم کی فصل کاٹ رہی تھی۔

میکے جاتی تو وہاں بھی کوئی اس کا منتظر نہیں ہوتا۔ نجانے بیٹیاں کیوں بوجھ لگتی ہیں ماں باپ کو۔ جنہیں صرف بیاہنے کی فکر رہتی ہے۔ رانی کے اندر عجیب سی بغاوت سر اٹھانے لگی تھی۔

وہ اکثر سوچتی اور جلتی کڑھتی رہتی کہ اس کے والدین نے اسے کیسے انجان لوگوں کے سپرد کر دیا اور اپنے فرض سے سبکدوش ہو کر سکون کی نیند سو رہے ہیں۔ کیا کبھی انھوں نے یہ سوچا کہ جن کے ہاتھوں میں اپنی بیٹی دے رہے ہیں کیا وہ اس کے قابل بھی ہیں؟

اس کے امید سے ہونے کی خبر کسی کے لیے بھی خوشی کا باعث نہیں بنی۔ ساس نے بانو بھابھی کے سامنے اس کی طرف داری نہیں کی تھی بلکہ اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔ بعد میں اسے بلا کر بھی ٹھیک ٹھاک

www.PakiBooks.Site

سنائی تھیں۔ یہ ہی رویہ اس کی نندوں کا بھی تھا۔ وہ بھی یہ سن کر اپنے نادر خیالات کا اظہار کرنے لگیں۔ رہ گئی بات اکرم کی تو وہ اس دن ایسا غائب ہوا کہ دو ہفتے تک گھر ہی نہ آیا۔

آ بھی جاتا تو رانی کو کیا فرق پڑ جانا تھا۔ عادی جواری تھا۔ خوش ہوتا تو مہربان بن جاتا، نہیں تو اپنی ہار کا غصہ اسے مار کر نکال لیتا۔ رانی اسے دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے اب ڈرنے لگی تھی۔ وہ دل ہی دل میں دعا کرتی کہ اکرم گھر ہی نہ آیا کرے۔

اماں اور بانو بھابھی تو صرف زبان سے زخم لگاتی تھیں جو نہ دکھتے تھے، نہ ان پر مرہم پٹی کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ مگر اکرم کی مار کے زخم تو ٹھیک ہونے میں کئی دن لگا دیتے تھے۔ اب زخموں کے ساتھ روزمرہ کے کام کرنا اس کے لیے دہری اذیت بن جاتی تھی۔ تین ہفتے بعد اکرم گرد میں اٹا، بڑھی شیو اور لمبے بالوں کے ساتھ گھر آیا تو اماں نے اسے لتاڑتے ہوئے اپنی ذمہ داری اٹھانے کا احساس بھی دلایا مگر یہ سب سن کر بھی اس کا رویہ معمول کے مطابق ہی رہا۔

اس رات بھی نشے میں دھت ہو کر رانی پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے، اسے بالکل بھی اس کی حالت کا احساس یا خیال نہیں تھا۔ رانی نے نفرت کی شدید لہر اپنے اندر اٹھتی ہوئی محسوس کی تھی۔

رات کے آخری پہر، اپنے چور چور جسم کے ساتھ پلنگ پر لیٹی آنسو بہاتی ہوئی وہ جان گئی تھی کہ اس کی طرح، اس کا ہونے والا بچہ بھی بدنصیب اور دوسروں کی ٹھوکروں پر پلنے والا ہوگا۔

''کاش یہ بچہ پیدا ہی نہ ہو۔''

سب کے رویوں کی سزا، اس نے بھی خود کو کوس کر دی تھی۔

مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ کچھ باتیں منہ سے نکلتے ہی قبولیت کا درجہ پا لیتی ہیں۔

☆☆☆

''مما مجھے گود میں بیٹھنا ہے۔''

رمشا مسلسل ضد کر رہی تھی اور بار بار ناشتے کی ٹرے ہاتھ سے پیچھے کر دیتی۔ آج اتوار کا دن تھا۔ فیصل بھی گھر پر موجود تھا۔ وہ اور رانیہ بہت خوش اور مطمئن انداز میں لان میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ جب اپنی نیند پوری کر کے آنکھیں ملتی ہوئی رمشا وہاں چلی آئی۔ آتے ہی باپ کی گود میں بیٹھ کر لاڈ سے باتیں کرنے لگی۔ فیصل بھی سب بھول کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ رانیہ نے بہت ناگواری سے اس منظر کو دیکھا تھا اور سر جھٹک کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اس وقت رجو ٹرے ہاتھ میں چلی آئی۔

''رجو۔ رمشا بے بی کو اندر لے جاؤ اور ناشتہ کروا دو۔ یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔ ملازمہ نے گھبرا کے کہا۔

''بیگم صاحبہ میں نے رمشا بے بی سے بہت بار کہا مگر وہ نہیں مانیں اور بھاگ کر یہاں آ گئیں۔ اس لیے میں ٹرے اٹھا کر یہاں لے آئی۔''

رجو نے جلدی سے وضاحت سے جواب دیا۔

''بری بات ہے رمشا بے بی۔ ٹیبل میز ز ہوتے ہیں۔ آپ ابھی نہیں سیکھو گی تو سب کیا کہیں گے۔ چلیں شاباش ناشتہ کر کے آئیں۔''

اس نے بظاہر نرم لہجے میں کہا مگر اس کے لفظوں میں واضح اکتاہٹ موجود تھی۔

''نہیں۔ مما کی گود میں بیٹھ کر بریک فاسٹ کروں گی۔'' رمشا نے لاڈ سے کہتے ہوئے اپنے دونوں بازو اس کی طرف کیے۔ رانیہ نے فیصل کی طرف دیکھا اور کندھے اچکا دیے۔

فیصل فوراً اس کے اشارے کو سمجھ گیا اور پیار سے رمشا کو سمجھانے لگا کہ وہ ناشتا کر لے مگر رمشا ضدی لہجے میں مسلسل ایک ہی بات کی گردان کیے جا رہی تھی۔

''آپ دیکھ رہے ہیں کہ رمشا کتنی ضدی ہو گئی ہے۔ جب تک ممکن تھا میں اس کے سب لاڈ اٹھا لیتی تھی مگر اب۔'' رانیہ نے اپنی حالت کی طرف اشارہ

www.PakiBooks.Site

کیا۔اس کا پانچواں مہینہ چل رہا تھا۔

''رمشا بس بہت ہوگیا۔ بہت ضدی ہوگئی ہو۔ جاؤ رجو کے ساتھ اور ناشتا کرو۔ میں دوبارہ کوئی آواز نہ سنوں۔''

فیصل ایک دم ہی ضد کرتی رمشا پر چلایا اور اسے اپنی گود سے اتار دیا۔ رمشا ایک دم ہی ڈر گئی اور رونے لگی۔ رجو نے صاحب کے اشارے پر اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتی ہوئی اندر لے گئی۔

''آپ نے بلاوجہ بچی کو ڈانٹ دیا۔ میں اسے کسی طرح بہلا لیتی بلکہ آپ کہتے تو اسے گود میں بٹھا لیتی۔ کیا ہوا اگر ڈاکٹر نے بہت احتیاط سے کام لینے کا کہا ہے۔ میں آپ کو پریشان نہیں دیکھ سکتی فیصل۔'' رانیہ نے بہت نرمی سے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔

فیصل کا تنا ہوا چہرہ ایک دم ہی پرسکون ہوگیا۔ رانیہ کی محبت اور فکرمندی نے اس کے اندر سکون پھیلا دیا تھا۔ اس نے جواباً محبت سے رانیہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا۔

''نہیں بھئی۔ ہمارے ہونے والے بچے کا بہت خیال رکھو۔ مجھے اندازہ ہے کہ ماں کی کمی کی وجہ سے رمشا اور عادل تھوڑے ضدی ہوگئے ہیں۔ مگر اب تم آگئی ہو تو سب آرام سے دیکھ لینا۔''

رانیہ کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔ صرف سوا سال ہی ہوا تھا اسے اس گھر میں آئے اور فیصل اب مکمل طور پر اس کے زیر اثر آگیا تھا۔ فیصل کی کوئی کال آگئی، تو وہ موبائل کان سے لگا کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''کتنی حیرت کی بات ہے ناں۔ کچھ عرصہ پہلے تک اس شخص کی ترجیحات میں اس کے بچے پہلے نمبر پر تھے مگر آج.....''

رانیہ نے ایک مطمئن نظر بڑے سے لان پر ڈالی اور آگے جھک کر فریش جوس کا گلاس اٹھا لیا۔

☆☆☆

''بھائی میں نے مما سے صرف یہ کہا تھا کہ مجھے خود ناشتا کروائیں مگر پاپا نے ڈانٹ دیا اور مجھے اندر بھیج دیا۔''

رمشا ہچکیاں لیتی اپنے سامنے بیٹھے عادل کو ساری بات بتا رہی تھی۔ عادل کی آنکھوں میں اداسی گہری ہوگئی مگر اس نے اپنی پیاری بہن کے چہرے سے آنسو صاف کرتے ہوئے دلاسا دیا۔

''رمشا تمہیں بھی ضد نہیں کرنی چاہیے تھی ناں۔ میرے ساتھ ناشتہ کرلیتیں۔''

عادل نے اس کا بھیگا چہرہ ٹشو پیپر سے صاف کیا اور اس کے چہرے پر آئے بالوں کو نرمی سے پیچھے کیا۔ رمشا کے سیاہ بال بہت گھنے تھے۔ عادل کو یاد آیا کہ اس کی امی کے بال بھی بالکل ایسے ہی تھے۔ اور ان کی خواہش تھی کہ رمشا کے بال بھی ان کی طرح لمبے ہوں۔ اس لیے وہ اپنے ساتھ ساتھ اس کے بالوں کا بھی بہت خیال رکھتی تھیں۔

جب بھی عادل رمشا کو امی سے تیل لگواتے دیکھتا تو ضد میں اپنے بالوں میں بھی تیل لگواتا تھا۔ امی ہنستی تھیں اس کی اس حرکت پر مگر بعد میں اسے بہت پیار سے سمجھاتی بھی تھیں کہ.....

''اچھے بھائی بہنوں سے ضد نہیں کرتے بلکہ ان کا خیال رکھتے ہیں۔''

عادل اس وقت ایسی باتوں کو سنجیدگی سے نہیں لیتا تھا مگر رانیہ کے آنے کے بعد اس نے بہت سی باتوں کو سنجیدگی سے لینا اور اس پر سوچنا شروع کردیا تھا۔ پہلے کی طرح وہ اپنا وقت ویڈیو گیمز کھیلنے میں نہیں گزارتا تھا بلکہ زیادہ سے زیادہ وقت رمشا کے ساتھ رہتا۔ وہ رمشا کی ایسے حفاظت کرتا جیسے وہ اس سے کئی سال بڑا ہو۔ بڑا تو وہ سچ میں ہوگیا تھا۔

''بھائی! پاپا بھی تو وہاں تھے نا۔ وہ بھی مجھے اپنے ہاتھوں سے ناشتا کرواسکتے تھے مگر پاپا نے مجھے ڈانٹ دیا۔ پاپا بالکل اچھے نہیں ہیں، وہ پہلے مجھے نہیں ڈانٹتے تھے۔'' رمشا نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''پہلے کی بات اور تھی رمشا۔ اب نئی مما آگئی ہیں۔ پاپا ان کی زیادہ فکر کرتے ہیں۔'' عادل نے

www.PakiBooks.Site

اداسی سے کہا۔

اس کی نظروں کے سامنے ایسے کتنے ہی منظر آ گئے جب اس کے باپ نے اپنی نئی بیوی کی خاطر انھیں نظر انداز کیا تھا۔ کتنی جھڑکیاں، کتنی ڈانٹیں، سرزنش، نئی مما کی جھوٹی سچی شکایتیں سن کر وہ انھیں سنا چکے تھے۔ عادل بچہ تھا مگر بچے ہی رویوں میں چھپے پیار اور نفرت کو سب سے پہلے محسوس کرتے ہیں۔ عادل نے جو محسوس کیا، اسی کی بنیاد پر وہ رمشا کو آنے والے برے وقت سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

''اچھا اب بس۔ میں ہوں ناں اپنی گڑیا کے ساتھ۔ ابھی ہم مل کر ناشتہ کریں گے پھر میں تمہیں نئی ڈزنی مووی دکھاؤں گا۔'' عادل نے اسے بہلایا اور پھر رجو کو آواز دے کر ناشتا اپنے کمرے میں منگوالیا۔ دونوں قالین پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ عادل نے آملیٹ اور سلائس کا پہلا نوالہ بنا کر رمشا کی طرف بڑھایا۔ وہ مزے لے لے کر کھانے لگی۔

☆☆☆

''دیکھنے میں تو اچھی بھلی تھی پھر کیا ہوا؟''

رانی یہ بات کتنی بار سن چکی تھی۔ اسے دیکھ کر یہ سوال ہر بار کیا جاتا۔ اس رات اس کے منہ سے نکلی دعا اس کے حق میں سنی گئی اور تیسرے مہینے کے شروع میں، ایک رات اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا۔ ساری رات تڑپ تڑپ کر گزاری۔ پاس سویا ہوا اکرم اس کی دبی دبی چیخیں سننے کے باوجود ٹس سے مس نہ ہوا۔ صبح پہلی بار اس سے گھر کا کوئی کام نہیں ہوا۔ بانو بھابھی کے بچے اسکول سے لیٹ ہوئے اور شوہر کو بھی ناشتا نہیں ملا تو وہ تنتناتی ہوئی، اپنے کمرے سے نکلی اور درد سے تڑپتی رانی کے سر پر آ کر بولنے لگی۔

شور سن کر اماں بھی صحن سے اٹھ کر رانی کے کمرے کی طرف آئی تو اسے دیکھ کر چونک گئی۔ اکرم کو ہاتھ مار کر اٹھایا۔

''ارے اٹھ جا منحوس۔ کیا بھنگ پی کر سو رہا ہے۔ تیرے پاس پڑی وہ تڑپ رہی ہے۔ لوگوں کے طعنے سن رہی ہے اور ایک تُو ہے کہ بے حس پڑا ہے۔ اٹھ جا۔ رانی کو فوراً قریبی ہسپتال لے جا۔ مجھے خیر نہیں لگتی ہے۔''

اماں کے کہنے پر اکرم آنکھیں ملتا ہوا اٹھا۔ بانو بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ رانی کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اکیلی اکرم کے ساتھ ہسپتال جاتی۔ اس لیے اماں نے آواز دے کر ساتھ والی پڑوسن سلمٰی کو بلالیا۔ جس سے رانی کی اچھی سلام دعا تھی اور اس کی ہمدرد بھی تھی۔ وہ اکثر اس کے پاس آتی جاتی رہتی۔

قریبی سرکاری ہسپتال جانے کے کچھ دیر بعد سلمٰی بھاگی ہوئی گھر آئی اور رانی کی طبیعت شدید خراب ہونے کا بتایا۔ اماں نے گلی کا بچہ بھیج کر سب سے قریب رہنے والی بیٹی ثریا کو بلایا۔ جب تک یہ لوگ کلینک پہنچے۔ ڈاکٹر اپنا کام کر چکی تھی۔ رانی کا بچہ دنیا میں آنے سے پہلے کوکھ میں ہی مر گیا تھا۔ کم عمری اور اچھی خوراک نہ ملنے اور مناسب آرام نہ کرنے کی وجہ سے رانی کی حالت بہت خراب تھی۔ ڈاکٹر نے اکرم کے ساتھ ساتھ اماں اور ثریا کی ٹھیک ٹھاک کلاس لی۔

''اس کی کم عمری اور خراب صحت کی وجہ سے یہ ہوا ہے۔ کم از کم اسے اچھی غذا اور کچھ آرام تو کرنے دیتے۔ بے چاری موت کے منہ سے واپس آئی ہے''

ڈاکٹر نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے، دوائیوں کا ایک لمبا پرچہ لکھ دیا۔ دو دن کے بعد اسے بہت سی ہدایتوں کے ساتھ گھر بھیج دیا گیا۔ رانی کی حالت کا سن کر اس کی ماں اور سب سے بڑی بہن سمیرا ملنے آئیں مگر شام ہونے سے پہلے چلی گئیں۔ اماں اور بانو چاہتی تھیں کہ وہ رانی کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ بانو نے دبے لفظوں میں کہا بھی مگر اماں اپنے شوہر کی وجہ سے سخت مجبور تھی۔ جو بیٹیوں کا میکے آنا اور رہنا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ سب سمجھ کر بھی خاموشی سے سر جھکا کر، اپنے آنسو پیتی وہاں سے چلی گئی۔

رانی کو اس کڑے وقت میں کسی بہت اپنے کی

www.PakiBooks.Site
Monthly Shuaa December 2018

ضرورت تھی۔ وہ بہت اداس اور دکھی تھی مگر آج بھی اس کے دکھ، درد سننے والا کوئی نہیں تھا۔

سسرال میں سب جانتے تھے کہ اسے پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس لیے وہ جو چاہے سلوک اس کے ساتھ روا رکھتے۔ سوال کس نے کرنا تھا اور حساب کس نے دینا تھا؟

رانی جس نے سارا گھر سنبھالا ہوا تھا۔ بیماری کے دوران کوئی اسے ایک وقت کی روٹی بھی بستر پر دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

بالآخر ایک دن ہمت کر کے اسے اٹھنا ہی پڑا اور آہستہ آہستہ پہلے کی طرح گھر کے سارے کام کرنے لگی۔

مگر اب اماں اور بانو بھابھی کے ہاتھ نیا مشغلہ آ گیا۔ ہر آئے گئے کے سامنے رانی کے بیمار ہونے کا قصہ مزے لے لے کر سناتیں۔ قیاس آرائی کرتیں، سننے والے بھی ہاں میں ہاں ملاتے، عجیب سی نظروں سے کام کرتی رانی کو گھورنے لگتے۔ رانی دکھی دل کے ساتھ سب سنتی اور کاموں میں لگی رہتی۔

رانی جو ایک بار پھر سے اس درد اور تکلیف سے گزر رہی تھی، اب اسے نئی آزمائش اور رویوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کی تنگ زندگی، اب اس کے لیے موت کا کنواں بن گئی۔ مگر وہ مجبور تھی اس میں سانس لینے کے لیے۔

رانی نے ہاتھ میں پکڑی پرات میں چاولوں پر ٹپ ٹپ پانی کے قطرے گرتے ہوئے دیکھے تو چونک کر اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آئی۔

''کتنی دیر ہو گئی۔ اماں واپس آنے والی ہوگی۔'' رانی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی۔ ماضی کا آسیب، اکثر اسے اپنے بس میں کر لیتا اور ضبط کے بہت سے دھاگے ٹوٹنے لگتے۔

☆☆☆

''رمشا بے بی اب بس بھی کریں۔ کب سے کہہ رہی ہوں کہ بال بنوالیں۔ مگر آپ ہیں کہ سن ہی نہیں رہیں۔''

رجو، رمشا کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی مگر رمشا مزے سے بال کھولے یہاں سے وہاں پھر رہی تھی۔ رجو نے کتنی بار کوشش کی کہ اس کی دو چوٹیاں بنا دے مگر رمشا ہر بار منع کر دیتی۔

''ابھی میرا موڈ نہیں۔'' کہہ کر رمشا بھاگ جاتی۔

اس وقت فیصل آفس سے واپس لوٹا تھا۔ لاؤنج میں بیٹھی رمشا نئی یاد کی ہوئی انگلش نظم گاتے ہوئے، اپنی گڑیا کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ فیصل نے اس کے معصوم چہرے پر محبت بھری نظر ڈالی اور مسکراتے ہوئے اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''ہماری بیٹی کیا کر رہی ہے؟''

فیصل نے کافی دنوں کے بعد اسے پہلے والے لہجے میں پکارا تو رمشا کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ وہ جلدی سے اپنی گڑیا دکھاتے ہوئے بولی۔

''پاپا۔ دیکھیں میری ڈول کے بال کتنے لمبے ہیں ناں۔''

''ہاں مگر میری گڑیا سے زیادہ نہیں۔'' فیصل نے محبت سے کہتے ہوئے اس کے سر پر بوسہ دیا۔

ایک دم ہی اسے طوبیٰ کی یاد بہت شدت سے آئی تھی۔ شاید اس لیے کہ طوبیٰ اور رمشا کے بال بالکل ایک جیسے تھے۔ لمبے، گھنے اور خوب صورت.....!

اسی وقت اپنے چہرے کے تاثرات کو بامشکل قابو میں کرتے ہوئے رانیہ ان کے پاس آئی۔

''مجھے ریڈی رہنے کا کہہ کر، خود آپ پچھلے آدھے گھنٹے سے یہاں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔''

رانیہ نے بظاہر بہت نرم لہجے میں کہا مگر وہ اندر ہی اندر حسد کی آگ میں جل رہی تھی۔

فیصل جسے رمشا کے پاس بیٹھے ابھی دس منٹ بھی نہیں ہوئے تھے، اس کے پکارنے پر چونکا اور کلائی میں بندھی گھڑی میں وقت دیکھنے لگا۔

آج ڈاکٹر کے پاس اس کی اپائنمنٹ تھی اور فیصل نے اسے آفس سے نکلنے سے پہلے فون کر کے

www.PakiBooks.Site

تیار ہونے کا کہہ دیا تھا۔ اپنے کمرے سے نہ نکلنے والی رانیہ اسی وجہ سے لاونج میں آئی تھی۔ ورنہ وہ بیڈ پر لیٹے ہوئے صرف حکم چلاتی رہتی۔ سارا گھر نوکروں کے سر پر تھا۔ چاہے وہ سیاہ کریں یا سفید۔ رانیہ جس نے آتے ہی گھر کا سارا نظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اپنے قدموں کی مضبوطی کا یقین پاتے ہی ہر چیز سے لاپروا ہو گئی تھی۔

''ہاں بس ویسے ہی۔۔۔!''

فیصل نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا اور سنجیدہ چہرہ لیے وہاں سے اٹھ گیا۔ رانیہ دل ہی دل میں کڑھتی، پاس کھڑی رجو کو ضروری ہدایات دیتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

''میں نے ٹھیک سے بال بھی نہیں باندھے۔ ابھی خشک ہی نہیں ہوئے تھے۔''

رانیہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے، اپنے بیگ میں سے ہیئر برش نکالا اور بالوں میں پھیرنے لگی۔ فیصل نے ایک نظر اس کے نئے اسٹائل میں کٹے کندھے تک آتے، ہلکے براؤن بالوں پر ڈالی۔ رانیہ کے بال بہت اچھے نہیں تھے مگر وہ انھیں بہت سیٹ رکھتی تھی۔

''تم نے کبھی بال لمبے کرنے کا نہیں سوچا۔ طوبیٰ کے بال بہت لمبے اور خوب صورت تھے۔ رمشا کے بال ماں پر گئے ہیں۔''

فیصل نے سرسری سے انداز میں کہتے ہوئے گاڑی موڑی۔ رانیہ کا ہاتھ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ اسے ہر وہ چیز اور حوالہ برا لگتا تھا جو فیصل کو اس کے ماضی کی یاد دلاتا۔ فیصل اکثر کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور کر جاتا۔ جس میں اس کی گزری زندگی کے لمحوں کی خوشبو آتی تھی۔

رانیہ اپنی حسد کی آگ میں سلگتی، اپنے حال کو نہیں دیکھ رہی تھی بلکہ کسی کے ماضی کے بیتے ہوئے لمحے گن رہی تھی۔

اپنے حال سے ناراض، ماضی میں رہنے والے، اپنا مستقبل اس دلدلی زمین کی طرح بنا دیتے ہیں، جس پر قدم رکھو تو وہ خود پر کھڑا رہنے نہیں دیتی بلکہ بہت اندر کہیں دفن کر دیتی ہے۔

☆☆☆

ان دنوں ہی اکرم نے لڑ جھگڑ کر زمین میں سے اپنا حصہ لے لیا اور کاروبار کرنے کے بہانے نجانے کہاں کہاں کی خاک چھاننے لگا کہ گھر کا راستہ ہی بھول گیا۔

اسے رانی کے کسی دکھ، کسی تکلیف سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ نہ وہ اسے کوئی چیز لا کر دیتا تھا۔ رانی کی بنیادی ضرورتیں اماں کی مہربانی سے پوری ہو جاتی تھیں۔ بانو بھابھی نے اسے تنگ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ اپنی مرضی کے بغیر اسے کچھ بنانے بھی نہیں دیتی تھی۔ رانی بھرے پُرے گھر میں بھی فقیروں جیسی زندگی گزار رہی تھی۔ کپڑوں سے لے کر کھانے پینے تک کے لیے بھی وہ دوسروں کی محتاج تھی۔

ان دنوں اماں شدید بیمار ہو کر چارپائی سے لگ گئی۔ اسے دمے کا مرض تھا۔ جو وقت کے ساتھ بڑھتا گیا۔ اماں ساری ساری رات سینے پر ہاتھ رکھے کھانستی، کبھی سینہ مل کر سانس لینے کی کوشش کرتی۔ اس کی حالت کے پیش نظر، رانی ہر وقت اس کے پاس رہتی۔ اکرم تو گھر آتا ہی کم کم تھا۔ اماں کے بہانے رانی کو بھی کچھ دیر آرام کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ کچھ دیر کے لیے ہی سہی، وہ بانو بھابھی کی کٹیلی نظروں اور زہریلی زبان سے بچ جاتی۔

ایک دن اماں غسل کرنے کے بعد چمک دار دھوپ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ رانی نے اس کے خشک ہوتے بالوں میں ہلکا سا تیل لگایا اور نرمی سے کنگھی پھیرنے لگی۔ اماں نے نرم آواز میں اسے پکارا۔

''رانی۔ دو دن کے بعد جمعرات ہے۔ تُو تیاری کر لے۔ صبح سویرے ہی سلمیٰ کے ساتھ نکل جانا۔''

''سلمیٰ کے ساتھ؟ مگر کہاں اماں؟'' رانی نے ہاتھ روک کر حیرت سے پوچھا۔

www.PakiBooks.Site

''درگاہ شریف پر چلی جا۔ سنا ہے کہ پیر شاہ کی دعا میں بہت اثر ہے۔ اللہ تیری جھولی بھرے۔ تجھے جیتا جاگتا بچہ دے۔ تُو نے میری بہت خدمت کی ہے۔''

اماں نے آہستہ سے کہا تو حیرت اور خوشی سے رانی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے جلدی سے تیل کی شیشی پر ڈھکن لگایا اور ہاتھ دھونے کے لیے برآمدے میں لگے نلکے کی طرف بڑھی جب اماں کی آواز نے اس کے قدم روکے۔

''اور سن۔ اس بات کا ذکر کسی سے مت کرنا۔ خاص کر اس بانو سے۔ جلتی ہے تجھ سے۔''

اماں نے آہستہ آواز میں اسے ہدایت کی اور پرسکون سی چارپائی پر لیٹ گئی۔ رانی نے اثبات میں سر ہلایا اور خوشی سے سرشار ہو کر باقی کے کام نمٹانے لگی۔

☆☆☆

''اتنی دیر ہو گئی؟ رمشا ابھی تک نہیں آئی؟''

عادل بے چینی سے لان کے چکر لگا رہا تھا۔ آج صبح رمشا کو بخار ہو رہا تھا۔ وہ اسکول کے لیے تیار ہو کر ناشتا کی میز پر آئی تو اسے دیکھ کر فیصل نے اسے اسکول جانے سے منع کر دیا' پاس بیٹھی رانیہ سے مخاطب ہوا۔

''جب بھی موسم تبدیل ہوتا ہے۔ رمشا ضرور بیمار پڑتی ہے۔ طوبیٰ اس لیے بہت احتیاط سے کام لیتی تھی۔ ابھی بھی اس کا ماتھا گرم ہو رہا ہے۔ کہیں بخار تیز نہ ہو جائے۔''

''اوہو فیصل۔ آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ آپ ایسا کریں کہ عادل کو اسکول ڈراپ کر دیں۔ میں رمشا کو دوائی دے کر سلا دوں گی۔ آپ دیکھیے گا شام تک بالکل فٹ ہو گی اور اگر خدانخواستہ اس کا بخار نہ اترا تو اسے قریبی کلینک لے جاؤں گی۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں۔'' رانیہ نے کچھ سوچتے ہوئے جلدی سے کہا۔ عادل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ نجانے کیوں اس کا دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔

''پاپا میں رمشا کے پاس رک جاتا ہوں۔'' عادل نے جلدی سے کہا تو رانیہ نے ٹھٹھک کر اس کی طرف دیکھا۔ رمشا کی نسبت وہ بہت سمجھ دار اور ذہین تھا۔ اس لیے رانیہ اس سے محتاط رہتی تھی۔

''نہیں عادل بیٹا۔ آپ اسکول جاؤ' میں ہوں رمشا کے پاس۔ فکر مت کرو۔''

اس سے پہلے کہ فیصل کچھ کہتا، رانیہ نے جلدی سے کہا اور آواز دے کر رجو کو بلایا اور اسے رمشا کو کمرے میں لے جانے کا کہا۔ عادل بجھے دل کے ساتھ وہاں سے اٹھ گیا مگر اسکول میں بھی اس کا دل نہیں لگا۔ وہ بے چین رہا۔ اسکول سے واپس آتے ہی وہ سیدھا رمشا اور اپنے مشترکہ کمرے کی طرف بھاگا۔ جب رجو نے اسے آواز دے کر روکا۔

''عادل بابا۔ رمشا بے بی، میڈم صاحبہ کے ساتھ باہر گئی ہیں۔'' عادل نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ یک دم ہی ڈر گیا۔

''کیا رمشا کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔''

اپنی ماں کو کھونے کے بعد، وہ اپنے سے جڑے ہر رشتے کے بارے میں خوف زدہ رہتا تھا۔ موت سے زیادہ، اسے جدائی کا خوف تھا۔ کسی بہت پیارے اور اپنے کے گم ہو جانے کا خوف۔

''نہیں۔ ان کی طبیعت بہتر تھی۔ بس وہ ضد کر رہی تھیں کہ باہر جانا ہے۔ اس لیے میڈم صاحبہ انہیں قریبی مارکیٹ لے گئی ہیں۔'' رجو نے تفصیل سے جواب دیا اور اسے کپڑے تبدیل کرنے کا کہہ کر کچن میں چلی گئی۔ عادل یونی فارم تبدیل کیے بغیر لان میں آ گیا اور بے چینی سے مسلسل چکر لگاتے ہوئے، اپنے ہاتھ میں بندھی گھڑی پر وقت دیکھ رہا تھا۔

''ابھی تک آئیں کیوں نہیں۔'' عادل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ رمشا کو کسی طرح اپنے سامنے لے آئے۔ رجو نے کئی بار باہر آ کر اسے آواز دی، بہلانے کی کوشش کی مگر وہ نہیں مانا۔ اپنی ضد پر اڑا رہا۔

www.PakiBooks.Site

''رمشا آئے گی تو اندر جاؤں گا۔'' تھک ہار کر رجو نے اسے، اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

وہ چلتے چلتے تھک گیا تو قریبی بینچ پر بیٹھ گیا۔ دونوں کہنیاں گھٹنوں پر رکھے، ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ سجائے وہ گہری سوچ میں گم تھا۔ اس کے گھنے سلکی بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بلاشبہ خوب صورت بچوں میں شمار ہوتا تھا۔

''مما! کبھی بھی مجھے اور رمشا کو اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں کرتیں۔ پھر آج کیوں؟'' عادل جتنا سوچتا، اتنا ہی الجھ رہا تھا۔

عادل کو اپنی ماں کی یاد شدت سے آئی۔ پھر اس کا ذہن رانیہ کی طرف مڑ گیا۔

''وہ دن بھی کتنے اچھے تھے۔'' عادل کے دل میں اداسی پھیلنے لگی۔

اسے آج بھی اچھی طرح یاد تھا کہ پہلے پہل رانیہ مما کے ساتھ مل کر وہ سب آؤٹنگ پر جاتے۔ ہر ویک اینڈ پر جوائے لینڈ کا پروگرام رانیہ مما خود بناتی تھیں اور ان دونوں کو سرپرائز دیتیں۔ دونوں خوشی سے سرشار اچھلتے، کودتے چل پڑتے۔ ایک مکمل اور بھرپور شام گزار کر، واپسی پر کسی اچھی جگہ ڈنر کر کے، سب سے آخر میں آئس کریم سے لطف اندوز ہوتے ہوئے، من پسند میوزک سنتے ہوئے وہ گھر لوٹتے تھے۔

مگر پھر آہستہ آہستہ رانیہ مما اور پاپا انھیں گھر میں چھوڑ کر جانے لگے۔ رمشا یا وہ ضد کرتے تو فیصل چڑ کر ڈانٹ دیتا۔ فیصل کی غیر موجودگی میں رانیہ بھی سخت لہجے میں تنبیہہ کرتی کہ بچے ہر جگہ ساتھ نہیں جاتے۔ عادل تو بہت حد تک پیچھے ہٹ گیا مگر رمشا اکثر ضد کرتی۔ کتنے ہی دن، کتنی ہی راتیں، دونوں بچوں نے لاؤنج کی سیڑھیوں پر، بھیگی آنکھوں کے ساتھ بیٹھے، ان دونوں کے واپس لوٹنے کے انتظار میں گزاری تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ پیچھے ہٹنے لگے مگر رمشا اکثر معصومیت سے سوال کرتی۔

''مما ہر وقت غصے میں کیوں رہتی ہیں؟''

عادل کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس لیے وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہ جاتا۔

اسے ڈھلتی دوپہر میں وہاں بیٹھے تقریباً دو گھنٹے ہو گئے۔ جب گاڑی کا ہارن بجا۔ عادل نے چونک کر گیٹ کی طرف دیکھا۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا تو گاڑی بڑے سے پورچ میں آ رکی۔ پہلے رانیہ کی طرف کا دروازہ کھلا۔ وہ بہت ادا سے بالوں کو جھٹکتی، دھیرے سے قدم اٹھاتی آگے بڑھی۔ دوسری طرف کا دروازہ کھلا۔ ہنستی مسکراتی رمشا سینے سے بڑی سے گڑیا لگائے، تیزی سے نیچے اتری تو اپنی جگہ بیٹھا عادل اسے دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ اسی وقت رمشا کی نظر بھی اس پر پڑی۔ وہ خوشی سے چلاتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

''بھائی دیکھو۔ مما نے مجھے کتنی بڑی ڈول لے کر دی ہے۔ آپ کو پتا ہے۔ اس کے ساتھ دو ڈریس اور ہیں.....''

رمشا نے گڑیا کے خوب صورت کپڑے ڈبے میں سے نکالتے ہوئے کہا اور اسے گڑیا کے ساتھ ملی مختلف چیزیں دکھانے لگی۔ عادل اپنی جگہ سے اٹھا اور حیرت سے آگے بڑھا۔

''رمشا تمہارے بال۔'' عادل نے اس کے کندھے سے بھی اوپر کٹے بالوں پر بہت حیرت اور دکھ سے ہاتھ پھیرا۔

''بھائی۔ مما نے کہا کہ ابھی میری عمر بہت چھوٹی ہے ناں۔ اتنے لمبے بال اچھے نہیں لگتے۔ اس لیے کٹوا دیے۔ اچھی لگ رہی ہوں ناں۔''

رمشا خوشی سے کہتے ہوئے اسے گول گول گھوم کر دکھانے لگی۔ اسی وقت مسکراتی ہوئی رانیہ ان کے پاس سے گزری۔ عادل نے ایک نظر اس کے خوب صورت چہرے پر ڈالی۔ جس کی آنکھوں میں تنفر بہت واضح تھا۔ عادل کی نگاہوں سے نگاہ ملی تو رانیہ نے بہت عجیب سا تاثر اس کی آنکھوں میں ابھرتے ہوئے دیکھا۔

رانیہ چونکی مگر پھر وہ سر جھٹک کر اندر کی طرف

www.PakiBooks.Site

چل پڑی۔ عادل نے اپنے اندر اٹھتے غصے کی لہر کو بہت مشکل سے دبایا۔ جو رانیہ کو دیکھ کر ایک دم ہی ابھرا تھا۔ اس کے وہاں سے جاتے ہی، اس کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی۔

''میں پاپا سے کہوں گا۔ وہ ضرور مما کو ڈانٹیں گے۔''

عادل نے اپنے ہاتھ کی پشت سے گیلی آنکھوں کو صاف کیا اور رمشا کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے اندر کی طرف مڑ گیا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے بیٹی۔ بہت دکھی نظر آتی ہو؟''

رانی کتنی ہی دیر سے سر جھکائے، دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے، پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی کہ آس پاس سے گزرنے والے بہت سے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر ترحم بھری نظر ڈالتے اور آگے بڑھ جاتے۔

سلمٰی اور رانی صبح سویرے ہی گھر سے نکلیں۔ بانو بھابھی کو یہ ہی بتایا کہ رانی کی ماں کی طبیعت خراب ہے۔ اس لیے وہ ماں سے ملنے جا رہی ہے۔ اس پر بھی بانو کا منہ بن گیا اور بڑبڑانے لگی۔

رانی سب سن کر بھی ان سنی کرتی، اماں کو بتا کر سلمٰی کے گھر چلی گئی۔ اکرم پچھلے کئی دنوں سے گھر نہیں آیا تھا۔

بڑی سی چادر میں سر سے پاؤں تک چھپی رانی خالی ہاتھوں میں امید اور آس کے دیئے جلائے، صرف کرائے کے پیسوں کے ساتھ عازم سفر ہوئی۔ پانچ گھنٹے کی مسافت، مسافروں سے کھچا کھچ بھری بس اور شدید گرمی میں پیاس نے نڈھال سا کر دیا تھا۔ سلمٰی بہت باتونی تھی۔ اس کے پاس باتیں کرنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ سارے راستے اپنے چھوٹے سے بٹوے سے پیسے نکالتی رہی۔ کبھی قلفی والے سے قلفی لے لیتی اور کبھی ٹھنڈی بوتل خود بھی پیتی اور رانی کو بھی لے دیتی۔

وہاں پہنچ کر سلمٰی اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ مزار کا ماحول حسب توقع ہی تھا۔ جمعرات کی وجہ سے رش بھی بہت تھا۔ عورتوں والے حصے میں رانی ایک کونے میں بیٹھ گئی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو زار و زار رونے لگی۔

کالی چادر میں لپٹی ایک گوری چٹی عورت نے ہمدردی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ رانی نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اپنی چادر سے صاف کیا اور سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ ایک انجان چہرہ دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی۔ سلمٰی نجانے کہاں رہ گئی تھی۔ رانی نے ادھر اُدھر نظر گھما کر دیکھا۔ وہ عورت رانی کے پاس کھسک آئی اور ہمدردی سے اس سے حال دریافت کرنے لگی۔

رانی نے ایک انجان اور ہمدرد چہرہ سامنے پایا تو اپنے دکھوں کی گٹھڑی کھول کر بیٹھ گئی۔ وہ بولتی گئی اور وہ عورت افسوس سے سر ہلاتی رہی۔ رانی چپ ہوئی تو اس عورت نے نرمی سے رانی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

''تیری قسمت میں بہت دکھ لکھے ہیں اوپر والے نے۔ نہ ماں باپ کے گھر سکھی رہی اور نہ شوہر کے۔ پھر اوپر سے اپنے وجود کے ادھورے پن کا دکھ اور اذیت۔ کوئی بھی اس تکلیف کو نہیں سمجھ سکتا۔ اولاد نہ ہو تو ایک صبر رہتا ہے مگر اس طرح امید کا بننا اور ٹوٹنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا تین بار ہوا تھا مگر یہاں آ کر دعا کروانے سے اللہ نے میری جھولی بھر دی۔ ان شاء اللہ تیری جھولی بھی ضرور بھرے گی۔ امید رکھ۔

مگر.....'' وہ عورت کہتے ہوئے چپ ہو گئی۔

''مگر کیا؟'' رانی نے بے چین ہو کر سوال کیا۔

''بس ایک بات یاد رکھنا۔ اس کی بارگاہ میں اپنی ذات کا کاسہ جب بھی پھیلاؤ، اس میں کبھی جھوٹ، منافقت مت شامل کرنا۔ خاص کر کسی کی بھی دل آزاری کے کھوٹے سکے لے کر اپنے دکھوں کا سودا مت کرنا۔ تم جانتی ہو، وہ ہر ایک کے کاسے میں سے دکھوں، آنسوؤں، فریادوں، محرومیوں کے سب کھوٹے سکے چنتا ہے، ان کے بدلے اپنی رحمت

www.PakiBooks.Site

کے دروازے کھول دیتا ہے مگر وہ کبھی بھی منافقت اور ریاکاری کے سکے نہیں قبول کرتا۔

یہاں مانگنے آئی ہے تو خالص دکھ کا سودا کرنا۔ وہ ضرور نوازے گا۔"

وہ عورت پورے یقین سے کہہ کر چلی گئی۔ رانی گم صم بیٹھی اس کی باتوں پر غور ہی کرتی رہ گئی۔

"کاسۂ ذات، سودا، خالص دکھ۔" وہ الجھ کر رہ گئی۔

"دنیا بھی بس فلسفہ بولنا جانتی ہے۔ دل پر گزری قیامتیں کون جانتا ہے۔"

رانی نے سامنے سے آتی سلمیٰ کو دیکھا اور خود کلامی کرتے ہوئے اٹھ گئی۔ شام ڈھلے جب وہ گھر پہنچی تو ایک نئی خبر اس کی منتظر تھی۔

☆☆☆

عادل کے برعکس فیصل نے رمشا کے کٹے بال دیکھ کر حیرت کا اظہار تو ضرور کیا مگر جب رانیہ نے اپنے مخصوص انداز میں سمجھایا کہ رمشا کی عمر بہت کم ہے اور وہ بہت کمزور ہے۔ اس طرح اس کی نشوونما ٹھیک سے نہیں ہوگی اور ویسے بھی وہ اپنے بال نہیں سنبھال سکتی۔

تو فیصل بھی اس کی تائید کرنے لگا۔ عادل غصے میں کھانا ادھورا چھوڑ کر اٹھ کر چلا گیا۔ فیصل نے حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر رانیہ کو۔ وہ چہرے پر پریشانی کا تاثر لاتے ہوئے کندھے اچکا کر بولی۔

"لگتا ہے کہ عادل نے مجھے اپنی ماں کی جگہ نہیں سمجھا ہے۔ اس لیے میری ہر بات اور عمل کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔" رانیہ نے مصنوعی اداسی طاری کرتے ہوئے کہا۔

"تم فکر مت کرو۔ تمہاری طبیعت ایسی نہیں ہے کہ ٹینشن لو۔ میں دیکھ لیتا ہوں عادل کو، کیا مسئلہ ہے۔"

فیصل نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی دی اور اٹھ کر عادل کے پیچھے چلا گیا۔ رانیہ کے ہونٹوں پر بہت ہلکی سے مسکراہٹ ابھری اور پھر فوراً ہی معدوم ہوگئی۔ رمشا خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھی۔ رانیہ نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر سر جھٹک کر اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوگئی۔ رمشا چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی، سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے کے ادھ کھلے دروازے کے پاس آئی اور تھوڑا سا جھک کر اندر جھانکنے لگی۔

عادل چیخ چیخ کر بول رہا تھا، اتنے دنوں کے پکتے لاوے کو آج راستہ مل گیا تھا۔ فیصل جو پہلے اسے نرمی سے سمجھا رہا تھا۔ ایک دم ہی غصے میں آگیا اور عادل کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ رمشا نے ڈر کر منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"بس بہت ہوگیا۔ تم بہت بدتمیز ہوگئے ہو۔ میرے بے جا لاڈ پیار نے تمہیں بگاڑ دیا ہے۔ آج کے بعد تم نے رانیہ سے کوئی بدتمیزی کی تو نتائج کے ذمہ دار صرف تم ہوگے۔" فیصل نے سختی سے کہتے ہوئے، ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے کی طرف ہوا۔ فیصل تیزی سے کمرے سے باہر نکلنے لگا تو ڈری سہمی رمشا پر نظر پڑتے ہی ٹھٹھک کر رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور نمی بہت واضح تھی۔ فیصل نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ بھاگتی ہوئی عادل کے پاس چلی گئی۔ فیصل کے دل پر بوجھ پڑا۔ وہ گہری سانس لے کر وہاں سے چلا گیا۔ عادل غصے سے سر جھکائے صوفے پر بیٹھا تھا۔ رمشا نے پاس آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ڈرتے ہوئے اسے پکارا۔

"بھائی۔" عادل نے سر اٹھایا اور اس کی بھیگی آنکھوں کو دیکھ کر فوراً ٹھنڈا پڑ گیا۔ اسے دلاسا دیتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں ٹھیک ہوں رمشا۔ کچھ نہیں ہوا۔ تم نے کھانا کھایا؟" عادل نے اس کی توجہ بٹاتے ہوئے کہا۔ رمشا نے نفی میں سر ہلایا۔

"بھائی آپ نے بھی تو نہیں کھایا تھا ناں۔" رمشا نے معصومیت سے کہا۔

www.PakiBooks.Site

''مجھے بھوک نہیں ہے رمشا۔'' عادل نے بے دلی سے کہا۔ رمشا نے اپنے ننھے ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھاما اور بولی۔

''بھائی آپ کو اچھا نہیں لگا کہ میرے بال اب چھوٹے ہو گئے ہیں۔ وعدہ بھائی آئندہ کبھی بھی نہیں بال کٹواؤں گی۔ آپ مما سے ناراض مت ہوں۔ وہ تو اچھی ہیں ناں۔ ہمارا اتنا خیال رکھتی ہیں۔'' عادل اونہہ کہہ کر رہ گیا۔

وہ رمشا کو کیا سمجھاتا کہ رانیہ نے کس طرح ان سے ان کا باپ چھین لیا ہے۔ بلکہ وہ سب کچھ چھین لینا چاہتی تھی۔ وہ سنڈریلا اور سنو وائٹ کی سوتیلی ماں کی طرح ہی تھی۔

''خوب صورت، مکار اور ظالم۔''

''تم مجھ سے وعدہ کرو کہ پھر کبھی ان کے ساتھ کہیں بھی اکیلے نہیں جاؤ گی۔''

عادل نے اپنا ہاتھ آگے کیا تو رمشا نے جلدی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ عادل نے مطمئن ہو کر گہری سانس لی تھی۔

☆☆☆

رانی پیر شاہ کے ڈیرے سے لوٹی تو اندھے اعتقاد کی بیساکھیوں کے سہارے، زندگی کی دوڑ میں تیز بھاگنے اور ریس جیتنے کی کئی امیدیں اس کے پلو سے بندھی ہوئی تھیں۔ وہ امیدوں اور خواہشوں کے بہت سے جگنوؤں کو مٹھی میں قید کر کے سمجھ رہی تھی کہ آنے والی راتیں، ان کی روشنی سے کٹ جائیں گی مگر وہ یہ بھول گئی کہ جگنو کی مدھم روشنی، صبر کے گہرے اندھیروں میں تو کام آتی ہے مگر خود غرضی اور بے حسی کی تیز دھوپ میں نہیں۔

وہ تھکی ہاری گھر واپس لوٹی تو ایک نئی خبر اس کی منتظر تھی۔ جسے سنتے ہی اس کے ہوش اڑ گئے۔

''مبارک ہو تجھے۔ اکرم نے دوسری شادی کر لی ہے۔'' بانو بھابھی نے اسے دیکھتے ہی طنزیہ انداز میں اطلاع پہنچائی۔ رانی اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

''یہ جھوٹ ہے۔'' کچھ دیر کے بعد اس کے منہ سے بامشکل نکلا۔

''چل تُو پھر سچ معلوم کر کے مجھے بھی بتا دینا۔ اندر ماں بیٹے کی میٹنگ جاری ہے۔''

بانو بھابھی نے تیکھے انداز میں کہا اور پراندہ جھٹکتے ہوئے مڑ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔

''پہلے ہی اس گھر میں ویلے اور نکھٹو لوگوں کا جمگھٹا لگا ہوا ہے، جن کا بوجھ بھی ہمیں اٹھانا پڑ رہا ہے۔ اوپر سے آئے روز کے نت نئے تماشے۔ میں صاف کہہ دوں گی مدثر کے ابا سے۔ بس بہت ہو گیا۔ اب کسی کی اور ذمہ داری نہیں اٹھانی۔ اپنا حصہ تو لے گیا ہے۔ اب کیا ہماری جان لے گا۔''

بانو بھابھی بڑبڑاتے ہوئے، دراصل اسے سنا رہی تھی۔ صحن میں کھیلتے بچوں کو ڈانٹتے ہوئے، کمر پر دھموکے جڑے اور دھکا دیتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لے جانے لگی۔ بچے ماں کے تیور دیکھ کر سہم کر بھاگ کر کمرے میں چلے گئے۔ بانو بھابھی نے کمرے کا دروازہ زور سے بند کیا۔ سارے گھر میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔

رانی بڑے سے صحن میں اکیلی رہ گئی۔ شام کب کی ڈھل چکی تھی۔ رانی نے گہری سانس لی اور اپنی چادر اتار کر گول مول سی لپیٹ کر ایک طرف پھینکی اور تھکے تھکے قدم اٹھاتی، اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ دروازہ نیم وا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر رک گئی۔ اندر سے آتی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

اماں پلنگ پر ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی تھی اور اکرم دائیں طرف بیٹھا اماں کے پاؤں دبا رہا تھا۔ اس کے چہرے کی چمک دور سے بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ اماں بے زاری سے بار بار اس کے ہاتھ جھٹک رہی تھی۔

''چل ہٹ۔ بڑا آیا ماں کی فکر کرنے والا۔''

اماں نے اپنے پاؤں پیچھے کرنا چاہے مگر اکرم نے مضبوطی سے پکڑ لیے۔

''اماں۔ میری پیاری اماں! بات تو سن۔''

www.PakiBooks.Site

اکرم کے لہجے میں شہد گھلا ہوا تھا۔
''کبھی مجھ سے تو اس لہجے میں بات نہیں کی۔''
رانی نے سوچا۔
رانی کو لگا جیسے اس نے نیم کا کڑوا پانی پی لیا ہو۔اس کے سارے جسم میں کڑواہٹ پھیل گئی تھی۔
''کون ہے وہ بدذات؟'' اماں گرجی۔
''اس لیے تو مہینہ مہینہ بھر گھر نہیں آتا تھا؟ ارے کماتا تو کچھ ہے نہیں تو، دوسری شادی کس بل بوتے پر کی ہے تو نے؟'' اماں مسلسل اکرم کو ڈانٹ رہی تھی مگر وہ ڈھیٹ بنا، مسکراتے ہوئے سب سن رہا تھا۔
''اماں تو غصہ مت کر۔سب بتاتا ہوں تجھے۔''
اکرم ماں کے غصے کو ٹھنڈا کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کچھ کہنے لگا۔رانی کو لگا کہ مزید یہاں کھڑا رہنا بے وقوفی ہے۔
''مگر میں عقل مند بھی کب تھی؟'' خود سے سوال جواب کرتی وہ باورچی خانے میں چلی آئی۔
رات کے کھانے کی تیاری کرتے ہوئے وہ اپنے ذہن سے سب جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی مگر یہ سب آسان کب تھا؟ کیا وہ پتھر کی بنی تھی۔جس کا کوئی احساس نہیں تھا۔
اس بات کو تین دن گزر گئے تھے مگر رانی کو ایسا لگ رہا تھا جیسے کل کی بات ہو۔
وہ بالکل گم صم ہو گئی تھی۔وہ جو اتنی خوشی سے پیر شاہ سے تعویذ لے کر آئی تھی۔کالا دھاگا اور کالی مرچ پر دم کروا کر لائی تھی۔وہ سب اسی طرح الماری کے خفیہ خانے میں پڑا ہوا تھا اور وہ حیران و پریشان اپنی زندگی میں آنے والی نئی آزمائش کو دیکھ رہی تھی۔اب کے اکرم لوٹا تو اس کا حلیہ ہی بدلا ہوا تھا۔سلیقے سے کٹے ہوئے بال، کلین شیو، اور صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔
رانی نے اسے پہلی بار گنگناتے ہوئے اور بات بے بات قہقہہ لگاتے ہوئے دیکھا تھا۔
حتیٰ کہ بانو بھابھی نے اس کی بدلی حالت کو دیکھ کر رانی پر طنز کے تیر چلانا شروع کر دیے۔
''اسے کہتے ہیں سچی خوشی۔'' بانو بھابھی نے اکرم کے چمکتے ہوئے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
''دیکھ۔ وہ کتنا خوش اور مطمئن ہے۔ایک عورت نے کیسے اس کی کایا پلٹ دی اور ایک تو تھی کہ اس میں رتی برابر بھی تبدیلی نہیں لا سکی۔''
رانی اس کی باتوں پر اندر ہی اندر کڑھتی رہتی مگر لب پر کوئی شکوہ نہیں لائی تھی۔
اس لیے نہیں کہ وہ صابر تھی۔
اس لیے کہ ابھی اس کا وقت نہیں تھا۔
وہ وقت کے حکمرانوں کے آگے بے بس اور کمزور تھی۔اکرم ان تین دنوں میں مسلسل اماں کو مختلف طریقوں سے منانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ ابھی بھی اماں کو سیب کاٹ کر دیتے ہوئے نرمی سے کہہ رہا تھا۔
''اماں تو خوامخواہ ناراض ہو رہی ہے۔جب تیری بہو بہت جلد ہنستا، کھیلتا پوتا تیری گود میں ڈالے گی تو تو خود ہی مان جائے گی۔'' اکرم نے کہا تو اماں سیب کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے ''اونہہ'' کہہ کر رہ گئی۔
''سنبھال کر رکھ اپنی بیوی اور بچے کو۔مجھے نہیں چاہئیں۔''
اماں کے لہجے میں واضح نرمی در آئی مگر پھر بھی غصہ دکھانا نہیں بھولی۔
''اچھا اماں۔ناراض مت ہو۔'' اکرم کو راستہ مل گیا۔وہ مزید اپنے لہجے کو نرم بناتے ہوئے بولا۔
''دیکھ اماں! میں نے رانی سے بیاہ تیرے کہنے پر بغیر کسی ضد کے کر لیا مگر تین سال گزر جانے کے باوجود وہ عورت میرے دل میں جگہ نہیں بنا سکی۔دل تو دل وہ اس گھر کے آنگن میں بھی خوشی کے پھول نہیں کھلا سکی۔اماں ایسی عورت کے ساتھ میرا گزارا نہیں ہو سکتا۔مگر وہ تیری مرضی سے آئی ہے تو تیری مرضی سے ہی جائے گی۔''

www.PakiBooks.Site

اکرم نے اس فراخ دلی سے کہا جیسے رانی جیتی جاگتی عورت نہیں، کٹھ پتلی یا استعمال کی کوئی چیز ہے۔ جسے اماں اپنی مرضی سے جب دل چاہے استعمال کر سکتی تھی۔

رانی کو پہلی بار شدت سے اس گھر اور اس زندگی سے نفرت ہوئی تھی۔

ماں کو منا کر اکرم اسی شام واپس چلا گیا۔ رانی کی قسمت کا فیصلہ اب اماں کے ہاتھ میں تھا۔

ان دنوں اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ ہر کام وہ ادھورا کرتی یا خراب کر دیتی۔ جس پر بانو بھابھی اسے بے نقط سناتی۔ ایک دن سلمٰی سے اس کی ملاقات ہوئی تو رانی نے اپنے دل کا بوجھ اس کے سامنے اتار پھینکا۔ ساری بات سننے کے بعد اس نے چٹکی بجاتے حل بھی پیش کر دیا۔

''پگلی انتظار کس بات کا کر رہی ہے۔ کیا تجھے پیر شاہ کے تعویذوں پر یقین نہیں ہے؟ ایک بار تیری اولاد ہو گئی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر دیکھنا اکرم کس طرح بھاگا بھاگا آئے گا۔''

''مگر اکرم تو یہاں آتا ہی نہیں ہے۔ پھر.....''

رانی کہتے کہتے جھجک گئی۔ سلمٰی ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے اس کی عقل پر افسوس کرنے لگی۔

''بے وقوف۔ اس کی ماں تو یہاں ہے نا۔ ان سے ملنے تو آئے گا۔ بس تجھے موقع کا فائدہ اٹھانا ہے۔

پگلی۔ وہ زمانے اور تھے جب کسی کی خدمت سے پتھر دل بھی موم بن جاتے تھے۔ اب وہ وقت نہیں ہے۔ زندہ رہنا ہے تو اپنا حق لینا سیکھو اور جو نہ دے اس سے چھین لو۔ تو بانو بھابھی کی باتیں سنتی ہے، اس کے بالشت بھر کے بچوں سے بے عزتی کرواتی ہے۔ اماں کو سنبھالتی ہے مگر بدلے میں تجھے کیا ملا؟ بہو، بیوی یا کسی بھی رشتے کا مان؟ عزت؟ رتبہ؟

اونہہ! میں تو صاف کہتی ہوں اگر بندہ اپنے ساتھ ہی اچھا نہ ہو تو دوسروں کے ساتھ لاکھ اچھا بنے کوئی فائدہ نہیں۔''

سلمٰی نے اسے اپنے تجربات اور خیالات کی روشنی میں ایک لمبا لیکچر دیا تھا۔ رانی کو لگ رہا تھا جیسے اس کے سامنے سے کوئی پردہ ہٹ رہا ہے۔ سلمٰی کی بات اسے ٹھیک لگی۔ جس نے اسے زندگی کا ایک نیا رخ دکھایا تھا۔

یہ وہ روزن تھا جو اس کے اندر پکتے لاوے کو باہر نکلنے کا راستہ دکھا رہا تھا۔ اس دن رانی وہاں سے لوٹی تو اس میں ایک واضح تبدیلی آئی تھی۔

اب وہ پہلے کی طرح بانو کی چپ چاپ نہیں سنتی تھی۔ اکثر جواب دے دیتی یا ان کی باتوں کو ان سنا کر کے گزر جاتی۔ جس پر وہ تپ جاتی اور اول فول بکنے لگتی۔ رانی گھر کے کام بھی ادھورے کرنے لگی۔ کبھی سالن میں مرچ زیادہ کر دیتی یا کبھی نمک۔ جان بوجھ کر روٹیاں جلا دیتی۔ نندیں آتیں تو اس دن سر پر دوپٹہ باندھ کر بستر پر لیٹ جاتی اور ہائے ہائے کرنا شروع کر دیتی۔ کبھی جان بوجھ کر سیڑھیوں سے اس طریقے سے گرتی کہ اسے چوٹ نہ آئے۔

مگر شور ایسے کرتی کہ جیسے کوئی ہڈی ہی ٹوٹ گئی ہو۔ اس نے ان طریقوں سے یہ بات سمجھ لی کہ اگر گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو ٹیڑھی کر لینی چاہیے۔

وہ جب تک اچھی بن کر رہی، خاموشی سے تکلیف اور درد برداشت کرتی رہی کسی نے اس کے ساتھ ہمدردی نہیں کی، اس کی فکر نہیں کی، مگر اب جب وہ اپنی جھوٹی تکلیف پر شور کرتی تو سب لوگ گھبرا کر اس کے آس پاس جمع ہو جاتے۔

رانی جان گئی تھی کہ اپنا حق کیسے وصول کرتے ہیں۔ پہلے وہ گھریلو سیاست کا شکار مظلوم لڑکی تھی، اب وہ گھریلو سیاست کی کھلاڑی بنتی جا رہی تھی۔ ادھر کی اُدھر لگانا، جھوٹ سچ بولنا، مطلب کے لیے کسی کو بھی گلے سے لگا لینا، ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنا لینا۔ وہ ان کاموں میں اتنی تیزی سے طاق ہوئی کہ دیکھنے والے بس دیکھتے ہی رہ گئے۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ کسی کی سگی نہیں بنے

www.PakiBooks.Site

گی، سوائے اپنی ذات کے!

مگر وہ ایک بات بھول گئی کہ.....

جو اس آزمائش سے گھبرا کر رحمان کا راستہ چھوڑ کر، شیطان کا راستہ اپنا لیتے ہیں۔ وہ ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں۔

کیونکہ قائم رہنے والی ذات تو رحمان کی ہی ہے۔ باقی ہر چیز کو فنا کا حکم ہے۔

☆☆☆

لاؤنج میں لگی بڑی اسکرین پر وہ اپنا پسندیدہ ویڈیو گیم کھیلنے میں مگن تھا۔ رمشا اسکول سے آ کر سو رہی تھی۔ عادل کو دوپہر میں سونے کی عادت نہیں تھی۔ وہ بے چین سا سارے گھر میں چکر لگاتا رہتا۔ جس سے رانیہ کو بہت چڑ تھی اور وہ اکثر اس کا برملا اظہار بھی کرتی کہ.....

''تم کیا بدروح کی طرح سارے گھر میں منڈلاتے رہتے ہو۔'' عادل سن کر ان سنی کر دیتا۔ جس پر رانیہ مزید تپ جاتی مگر عادل کو کب اس کی پروا تھی۔

وہ کافی دیر تک فریحہ پھپھو کا انتظار کرتا رہا اور پھر بور ہو کر گیم لگا لی۔ فریحہ آج کل پاکستان آئی ہوئی تھی اور ابھی بازار گئی ہوئی تھی۔ عادل نے والیم تیز کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے سارا ٹی وی لاؤنج گونج رہا تھا۔ رجو کئی بار اسے آواز کم کرنے کا کہنے آئی کیونکہ رانیہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھی اور اگر اس کے آرام میں خلل پڑتا تو.....

اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

مگر سامنے بھی عادل تھا جس نے ہر بار کی طرح اس بار بھی اس کی بات سن کر ان سنی کر دی۔ تھک ہار کر رجو واپس چلی گئی۔

عادل وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت ضدی اور ہٹ دھرم ہو گیا تھا۔

وہ کسی کی بات نہ سنتا اور نہ ہی مانتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد فریحہ شاپنگ کر کے واپس لوٹیں، تو عادل کو لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر خوش گواری سے مسکرانے لگیں۔ عادل گیم میں اتنا مگن تھا کہ اسے کسی کے آنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔

فریحہ نے پاس بیٹھتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا۔ گیم میں ہونے والی لڑائی کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات بھی بدل رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے اندر کے غصے کو باہر نکال رہا ہو۔ فریحہ نے اسکرین کی طرف دیکھا اور پھر عادل کی طرف۔ وہ پریشان ہو گئیں۔ عادل کے پاس رکھا ریموٹ اٹھا کر آواز کم کی تو وہ چونکا۔

''پھپھو! آپ آ گئیں۔ میں کب سے انتظار کر رہا تھا۔''

عادل نے کہتے ہوئے دوبارہ اپنی نظریں اسکرین پر مرکوز کر دیں۔

''تمہیں اپنے جان سینا سے فرصت ملے تو کچھ نظر آئے ناں۔ کیا فضول گیمز کھیلتے ہو تم بچے بھی۔ مار دھاڑ سے بھرپور۔ توبہ ہے بند کرو اسے۔'' فریحہ نے کہتے ہوئے ٹی وی بند کیا۔

''اوہو پھپھو! یہ کیا کیا آپ نے۔ میں میچ ہار گیا۔'' عادل نے منہ بنا کر ریموٹ سائیڈ پر رکھا۔

''عادل بیٹا۔ ان فضول گیمز کو چھوڑو اور مجھ سے وعدہ کرو کہ اپنی پڑھائی پر دھیان دو گے۔ تمہارا رزلٹ بہت خراب آیا ہے۔''

فریحہ آج ان کے اسکول سے ہو کر آئی تھیں۔ جہاں ٹیچرز اور پرنسپل کی زبانی ساری صورت حال جان کر بہت دھچکا لگا تھا۔

عادل دن بہ دن پڑھائی میں کمزور ہوتا جا رہا تھا اور وہ کلاس میں سب سے لڑائی جھگڑا کرنے میں آگے آگے رہتا تھا۔

دونوں بچوں کو نہیں پتا تھا کہ وہ ان کے اسکول گئی تھیں۔ عادل مڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''پھپھو جیسا آپ کہیں گی، میں ویسا ہی کروں گا مگر آپ کو بھی ایک وعدہ کرنا پڑے گا۔''

عادل نے کہا تو فریحہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

www.PakiBooks.Site

''کیسا وعدہ؟'' فریحہ نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''فریحہ پھپھو! آپ وعدہ کریں کہ ہمیں چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔'' عادل نے امید بھرے لہجے میں کہا۔ فریحہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ عادل کی کالی آنکھوں میں خوف اور بے چینی واضح تھی۔ اس کے معصوم چہرے پر اس وقت امید کے کتنے رنگ پھیلے ہوئے تھے۔

فریحہ اس کا معصوم سا چہرہ دیکھتی رہ گئیں اور بے اختیار ہو کر اسے خود سے لگا لیا۔

فریحہ کو آئے ہوئے صرف ایک ہفتہ ہوا تھا۔ وہ سپرپرائز وزٹ پر تین ہفتے کے لیے اکیلی پاکستان آئی تھی اور یہاں کے بدلے حالات دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں۔ دونوں بچے چہروں سے پریشان حال اور کملائے ہوئے لگتے تھے۔ انھیں دیکھ کر تو فریحہ کا دل مٹھی میں آ گیا۔

اور رات کو تنہائی ملتے ہی جب انہوں عادل کی زبانی رانیہ اور باپ کے بدل جانے کے بے شمار قصے سنے تو وہ ہکا بکا رہ گئیں۔

''فیصل اتنا بھی بدل سکتا ہے۔ میں نہیں مانتی۔'' فریحہ نے سوچا مگر وہ جانتی تھیں کہ بچوں کی باتیں بھی غلط نہیں ہیں۔ نہ ور کچھ نہ کچھ تو ایسا ہے جو اس ساری صورت حال کی وجہ بن رہا ہے۔

فی الوقت فریحہ نے اسے تسلی دے کر چپ تو کروا دیا مگر رانیہ کا سرد اور خشک رویہ ان کے سامنے تھا۔ کچھ دنوں میں ہی فریحہ کو اندازہ ہو گیا کہ.....

وہ بہت ڈرامے باز قسم کی عورت ہے۔ اس کی چالاکیاں دیکھ دیکھ کر وہ بھی دنگ رہ گئیں۔

یہاں بہت کچھ ایسا ہو رہا تھا، جو اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ جیسے جیسے ان کے جانے کے دن قریب آ رہے تھے، عادل بہت بے چین رہنے لگا اور بار بار اس سے وعدہ لینے کی کوشش کرتا۔ ابھی بھی اس نے اپنا پرانا مطالبہ دہرایا تو فریحہ خود پر قابو نہیں رکھ سکیں۔ کچھ دیر کے بعد اس نے خود کو سنبھالا اور عادل کو نرمی سے الگ کیا۔ اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر محبت سے ماتھے پر بوسہ دیا۔

''دیکھو عادل بیٹا۔ میں یہاں زیادہ دن تک نہیں رک سکتی، وہاں آپ کے دونوں کزنز روز مجھے فون کرتے ہیں اور جلد واپس آنے کی تاکید کرتے ہیں۔ آپ خود بتاؤ کہ میں یہاں کیسے رہ سکتی ہوں۔''

فریحہ نے نرمی سے کہا تو عادل سوچ میں پڑ گیا۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں پھپھو۔ اگر آپ بھی امی کی طرح واپس نہیں جائیں گی تو آپ کے بچوں کی بھی سوتیلی ماں آ جائے گی اور سوتیلی ماں چاہے سنڈریلا کی ہو یا سنو وائٹ کی یا ہماری۔ کسی کی بھی اچھی نہیں ہوتی۔'' عادل نے سمجھ داری سے سر ہلاتے ہوئے کہا تو فریحہ اپنی جگہ ساکت رہ گئیں۔ انہیں لگا کہ جیسے کسی نے ان کا دل مٹھی میں لے لیا۔

☆☆☆

ازل سے قدرت کا ایک اصول ہے کہ اچھائی اور برائی ہمیشہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

منزل کا تعین کرنے میں ہم بہت سا وقت ضائع کر دیتے ہیں، یا جلدی میں غلط منزل چن لیتے ہیں۔ جیسے کوئی پھول چن لے اور کوئی کانٹے اپنے مقدر میں بوئے۔

ایسا ہی رانی کے ساتھ ہوا۔ اس نے دعا اور اللہ پر یقین رکھنے کے بجائے، اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے وہ راستہ چنا، جو زمینی خدا ہونے کا دعویٰ کرنے والے پیر شاہ کے آستانے کی طرف جاتا تھا۔

جو اپنے سفلی عمل سے جانے کتنے گھروں میں نفاق کے بیج بو چکا تھا۔ پہلی بار کی ڈری سہمی رانی اگلی بار بہت اعتماد سے پیر شاہ کے پاس اپنے شوہر اور سسرال والوں کے لیے تعویذ لینے پہنچی تھی۔

رانی کو لگتا تھا کہ یہ اس کا وہ جائز حق ہے، جو اسے آج تک نہیں ملا۔ پیر شاہ ایسے کام مفت میں نہیں کرتا تھا۔ اس لیے رانی نے اس بار پیسوں کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ یہ وہ پیسے تھے جو وہ مختلف حیلے

www.PakiBooks.Site

بہانوں سے اماں سے لے لیتی یا اماں اور بانو بھابھی کی نظر بچا کر ان کے بٹوے سے نکال لیتی۔ سلمٰی نے اسے سمجھایا تھا کہ اگر اپنا مقصد حاصل کرنا ہے تو پیسہ لگانا پڑے گا۔ نہیں تو ساری زندگی کسی معجزے کے انتظار میں سسرال والوں کی جوتیاں کھاتی رہے۔ رانی جس کے اندر بغاوت سر اٹھا چکی تھی۔ وہ اب سب کچھ کرنے کو تیار تھی۔

رانی نے پیر کو مطلوبہ رقم ادا کر کے اپنی مٹھی میں بند تعویذ کو اپنے نصیب کے تالے کی کنجی سمجھ لیا اور جب گھر لوٹی تو بہت مطمئن تھی۔

پیر شاہ کی ہدایت کے مطابق رانی نے تعویذ پانی میں گھول کر گھر کے لوگوں کو پلا دیا تھا۔ ایک تعویذ اکرم کے لیے تھا۔ جس کے گھر آنے کا انتظار اسے شدت سے تھا۔

''بس ایک بار وہ گھر آ جائے۔ یہ تعویذ پیتے ہی، وہ غلام بن جائے گا۔'' رانی پیر شاہ کے دعوے کے مطابق خود کو تسلی دیتی اور خوش ہوتی رہتی۔

ایک دن اکرم اچانک صبح سویرے گھر چلا آیا۔ رانی بھینسوں کے باڑے سے واپس آئی تو اکرم کو صحن میں اماں کے ساتھ چارپائی پر بیٹھے دیکھ کر بے اختیار خوشی سے کھل اٹھی۔ وہ سلمٰی کی ہدایت کے مطابق جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ دیوار میں لگے درمیانے سائز کے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ سویرے سے دھلا ہوا سادہ سا چہرہ، ملگجے کپڑے، بکھرے ہوئے بال۔ اس وقت کچھ اور تو ممکن نہیں تھا۔ اس لیے رانی نے جلدی سے اپنے بالوں میں کنگھی کی اور انھیں سلیقے سے باندھ کر، ہلکے رنگ کی لپ اسٹک لگا کر، کپڑوں کی شکنیں ہاتھ سے دور کرتی، باورچی خانے کی طرف دوڑی۔

اکرم کے لیے دودھ پتی بنا کر سلیقے سے کپ ٹرے میں رکھ کر باہر کی طرف لپکی اور پاس جا کر دھیرے سے سلام کیا۔ اکرم نے سرسری سی نظر ڈالی اور پھر چونک گیا۔

آج اس کا ہونق اور اجاڑ چہرہ کھلا کھلا لگ رہا تھا۔ اکرم کی نظر ایک لمحے کے لیے ٹھٹکی اور پھر کپ تھام کر فوراً اماں کی طرف متوجہ ہو گیا مگر یہ ایک لمحہ بھی رانی کو سرشار کر گیا۔ اس کا اعتماد خود پر بڑھ گیا۔ رانی نے جلدی جلدی سب کام سمیٹے۔ آج اس نے اکرم کی پسند کا کھانا بہت دل لگا کر تیار کیا۔ اس کے لیے خاص سوجی کا حلوہ، دیسی گھی میں بنایا۔ وہ آج اکرم کو یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ وہ اس کے لیے بہت خاص ہے۔

کھانا لگانے سے پہلے اور بعد میں بھی وہ اکرم کے آگے پیچھے چکر لگا رہی تھی۔ اکرم نے بہت حیرت سے اس کے چہرے کی خوشی اور قدموں کی بے تابی کو دیکھا۔ آج سے پہلے اس نے رانی کو صرف گھر کے کاموں میں مصروف اور بے ترتیب حلیے میں پھرتے دیکھا تھا مگر اب کی بار رانی کے ظاہری حلیے میں واضح تبدیلی تھی۔

سادہ سے مگر صاف ستھرے لباس میں سلیقے سے کنگھی کیے بالوں اور بات بات پر ہنستی ہوئی رانی اسے بہت اچھی لگی تھی۔ پہلے وہ جب بھی گھر آتا۔ رانی کو کولہو کے بیل کی طرح کام کرتے ہوئے دیکھتا۔ وہ ساس، جٹھانی، ان کے بچوں اور مہمانوں کی خدمت کرنے میں اپنے مجازی خدا سے بے پروا رہتی تھی۔

اکرم کو بہت برا لگتا تھا کہ رانی کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہ آوارہ مزاج، جو نگر نگر کی خاک چھانتا رہتا تھا۔ جانتا تھا کہ ایک روٹی تو وہ کسی ڈھابے سے بھی کھا لے گا مگر ایک بیوی جس محبت اور خیال سے اپنے شوہر کو کھانا پیش کرتی ہے، اس کا خیال رکھتی ہے، وہ بات رانی میں نہیں تھی اور یہ چیز ہی اسے دوسری عورت کی طرف متوجہ کر گئی۔ جو اسے سر آنکھوں پر بٹھا کر رکھنے کا ہنر بخوبی جانتی تھی۔ اس نے وقت ضائع کرنے کے بجائے سمجھ دار عورتوں کی طرح اس مرد کی زندگی کے خلا کو بھانپ لیا تھا۔

آج رانی نے بھی وہ طریقہ استعمال کیا، چاہے دیر سے ہی سہی مگر اسے اپنے شوہر کا خیال رکھنا آ ہی

www.PakiBooks.Site

گیا۔

''اتنی بھی بری نہیں ہے رانی!''

اکرم نے ایک مرد کی نظر سے اسے دیکھا۔ وہ جو شام سے پہلے شہر لوٹ جانے کی نیت سے آیا تھا۔ تین دن کیسے گزر گئے، اسے احساس ہی نہیں ہوا۔ تین دن میں رانی چکور کی طرح اس کے گرد چکر لگاتی رہی حتیٰ کہ بانو بھابھی بھی جل بھن کر رہ گئی اور کئی بار اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتی رہی۔

''تیری یہ حالت ـــــــ تو شادی کے شروع کے دنوں میں بھی نہیں تھی۔ خیر تو ہے کہیں شوہر پر تعویز گنڈے تو نہیں کر رہی۔'' بانو بھابھی اپنی مکار نظروں سے اسے گھورتی تو رانی اس سے نظریں چراتے ہوئے منہ بنا کر رہ جاتی۔

مگر یہ بھی سچ تھا کہ وہ پیر شاہ کے تعویذ گھول کر اکرم کو پلا بھی چکی تھی۔ اس لیے وہ دل ہی دل میں بہت خوش تھی کہ پیر کے پہلے تعویذ نے ہی کام کر دکھایا ہے۔

اور یہ اسی تعویذ کی کرامت تھی کہ اس کے سب بگڑے کام اب سنورنے لگے تھے۔

رانی سے چڑنے والا اکرم، اب ہنس ہنس کر باتیں کرتا، رانی کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔ رانی کو اماوس کی رات کا انتظار تھا۔ جب اس نے صحن میں بنی کیاری میں دوسرا تعویذ دبانا تھا۔ اسے یہ کام بہت جلد اور اکرم کے واپس جانے سے پہلے کرنا تھا۔ اسے مناسب موقع کا انتظار تھا اور وہ موقع اسے ایک رات مل ہی گیا۔

☆☆☆

گرمیوں کی طویل راتیں تھیں۔ بانو اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ چھت پر سوتی تھی جبکہ اماں صحن میں چارپائی بچھا کر سوتی تھی۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ رانی نے ایک نظر گہری نیند سوئے ہوئے اکرم پر ڈالی اور آہستہ سے بنا آہٹ کیے بستر سے نیچے اتر آئی۔ دبے قدموں سے چلتی کمرے میں بنی کھڑکی کے پاس آئی اور پردہ ہٹا کر کچھ ٹٹولنے لگی۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کی انگلیوں نے مطلوبہ چیز کے لمس کو محسوس کیا تو بے اختیار اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے جلدی سے مٹھی میں تعویذ قید کیا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

وہ بلی کی طرح پاؤں رکھتی، دبے قدموں سے صحن کے کونے میں بنی کیاری کی طرف بڑھنے لگی۔ اماں کی چارپائی کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے چوکنی نظروں سے دیکھا۔ وہ دوسری طرف کروٹ لیے سو رہی تھیں۔ رانی نے اطمینان کی سانس لی اور فوراً کیاری کے پاس اکڑوں بیٹھ کر پہلے سے رکھی کھرپی سے مٹی کھودنے لگی۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ گڑھا گہرا ہے تو جلدی سے دوسرے ہاتھ کی مٹھی کھول کر تعویذ کو دیکھا اور مسکرا کر اسے گڑھے میں رکھنے لگی۔ ابھی اس نے تعویذ کو نرم مٹی میں رکھا ہی تھا جب اچانک سے کھٹکا ہوا اور ایک دم سے ہی سارا صحن پیلے بلب کی تیز روشنی میں نہا گیا۔ رانی ڈر گئی۔ اس کے ہاتھ سے کھرپی چھوٹ کر نیچے مٹی میں گر گئی۔

اس نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔ بانو کمر پر ہاتھ رکھے اسے گھور رہی تھی۔ رانی کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ تیز بلب کی روشنی سے اماں بھی جاگ گئی اور کروٹ بدلتے ہوئے بولی۔

''کون ہے اس وقت؟'' رانی نے اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ اسی وقت بانو آگے بڑھی۔

''آپ یہاں گہری نیند کے مزے لیتی رہیں اور یہ ڈائن آپ کی موت کا سامان کر رہی ہے۔'' رات کے اس پہر ہر سو پھیلی خاموشی میں بانو کی تیز آواز سارے گھر میں گونج رہی تھی۔

''کیا بکے جا رہی ہے؟'' اماں نے گہری نیند سے اٹھنے کی وجہ سے چڑ کر پوچھا۔

''مجھ سے نہیں۔ اس سے پوچھیں کہ رات کے اس پہر آپ کی چارپائی کے پاس مٹی کیوں کھود رہی تھی؟ ضرور کوئی تعویذ کا چکر ہو گا اماں۔ چاہتی ہو گی کہ آپ جلد از جلد مریں اور اس کی جان چھوٹے

www.PakiBooks.Site

اسلام علیکم!

ہمیں اپنے Blog Kitabdost

http://kitabdostpk.blogspot.be

اور readingpoint

http://readingpointpk.blogspot.be

کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں

maisrasultan@gmail.com

فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

آپ کی چاکری کرنے سے۔" بانو نے رانی کی طرف قدم بڑھائے، جو خوف زدہ ہو کر پیچھے کی طرف ہٹی۔ اماں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"رانی تو اس وقت یہاں کیا کر رہی ہے؟" اماں نے حیرت سے استفسار کیا۔ رانی کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بانو نے جھک کر گڑھے میں سے تعویذ نکال لیا اور فاتحانہ انداز میں اماں کی طرف بڑھیں۔

"یہ دیکھیں اماں۔ میں غلط نہیں کہہ رہی تھی۔" اماں ایک دم ہی چونکیں۔ درگاہ شریف پر دعا کرنے کے لیے اماں نے ہی اسے بھیجا تھا مگر وہ تعویذ کب لے کر آئی تھی۔

اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ اس سے پہلے کہ کوئی کچھ اور کہتا یا سنتا، ایک دم ہی غصے سے بپھرا اکرم آگے بڑھا، جو بانو کے شور سے جاگ کر سب سن اور دیکھ چکا تھا۔ رانی کو بالوں سے پکڑ کر اس نے زور سے زمین پر دھکا دیا اور پھر نہ اس کے ہاتھ رکے اور نہ پیر۔ اماں نے ایک دو بار اسے آواز بھی دی مگر وہ غصے میں جنونی ہو کر اسے بری طرح پیٹ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ گالیاں بھی دے رہا تھا۔

"چھوڑ دے اسے اکرم! بس کر دے۔ کیوں رات کے اس پہر تماشا لگا رہا ہے۔" اماں نے کھانستے ہوئے بامشکل کہا۔ اکرم نے ہانپتے ہوئے اماں کے زرد چہرے کی طرف دیکھا اور پھر نفرت بھری نگاہ سسکتی رانی پر ڈالی۔

"یہ عورت کبھی میرے دل تک نہیں پہنچی اماں! اپنی ہر خدمت اور فرماں برداری کے باوجود۔

میں اکثر سوچتا تھا کہ ایسا کیوں ہے اور آج مجھے اس کا جواب بھی مل ہی گیا۔ اس عورت کا ہر عمل صرف مجبوری اور اپنے حالات کی وجہ سے تھا۔ اس لیے تو یہ کبھی کسی کا دل نہیں جیت سکی مگر آپ بھی ٹھیک کہتی ہیں اماں! مجھے اسے چھوڑ ہی دینا چاہیے۔ میں اسے طلاق دیتا ہوں۔" اکرم نے ایک لمحہ لگایا اور چار سال سے بنا رشتہ۔ ایک جھٹکے میں ختم کر کے غصے سے پاؤں مارتا گھر سے نکل گیا۔ پیچھے ہکا بکا سی رانی اپنی مار اور تکلیف کو بھول کر اس کے کہے آخری لفظوں پر غور کرتی رہ گئی۔

"طلاق۔ مگر پیر شاہ نے تو کہا تھا کہ شوہر میرا غلام بن جائے گا پھر کیسے۔"

رانی نے حیرت سے خود سے سوال کیا۔ بانو اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر طنزیہ مسکراہٹ سجائے، شور کی آواز سن کر جاگے اپنے شوہر کو لے کر وہاں سے چلی گئی۔ اماں سر جھکائے خاموش بیٹھی کسی سوچ میں گم تھی۔ رانی نے ایک نظر اس پر ڈالی اور لڑکھڑاتے قدموں سے بامشکل اٹھی اور چند قدم ہی چلی تھی کہ اماں نے اسے پکارا۔

"پو پھوٹنے کا انتظار کر لے رانی۔ پہلے ہی تیری جلد بازی نے تجھے عرش سے فرش پر لا پھینکا ہے۔ جو بھی تھا تو اپنے گھر میں آباد تو تھی ناں۔ مگر اب۔ کاش تو مجھے ایک بار اعتماد میں لے لیتی تو آج یہ نوبت نہیں آتی۔" اماں کے لہجے میں افسوس تھا۔ رانی نے پلٹ کر ایک نفرت بھری نگاہ ڈالی۔

"تم ظالم لوگوں سے تو خدا ہی نمٹے گا۔ تم سب کے سینوں میں پتھر کے دل ہیں۔ میری آہ اس گھر کے لوگوں کو کبھی سکون سے نہیں رہنے دے گی۔"

رانی روتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ باقی کی رات رانی نے کرسی پر بیٹھے ہوئے گزار دی۔ وہ اماں کی بات مان کر رک گئی تھی کیونکہ جو بھی تھا اماں کی بات درست تھی کہ اندھیرے میں گھر سے نکلنا اسے مہنگا پڑ سکتا تھا۔

اس کا ذہن مختلف سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔ جب قریبی مسجد سے فجر کی اذان بلند ہوئی۔ رانی بے حس و حرکت بیٹھی، اذان سنتی رہی۔ جب روشنی پھیلنے لگی تو وہ مختصر سے سامان اور چھوٹے سے بٹوے میں چند روپے لے کر اپنے کمرے سے نکلی۔ صحن میں کوئی نہیں تھا۔ رانی نے ایک اداس نظر سارے گھر پر

www.PakiBooks.Site

ڈالی۔ نکاح کے تین بولوں نے اسے اس گھر کا مکین بنا دیا تھا اور تین بولوں نے ہی اسے ایک لمحے میں پرایا کر دیا۔ وہ تھکے ہارے قدم اٹھاتی آگے بڑھی۔

رانی جانتی تھی کہ اس کے باپ کے گھر میں بیٹیوں کے لیے جگہ بہت کم تھی اور وہ تو اب طلاق یافتہ بیٹی تھی۔ اس کے باپ نے اسے کب قبول کرنا تھا۔ اس کے پاس اس گھپ اندھیرے میں روشنی کی ایک ہی کرن تھی۔

اور وہ تھی اس کی اکلوتی اور واحد سہیلی سلمٰی۔

☆☆☆

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا اس بدذات کا۔" سلمٰی نے منہ ہی منہ میں غائبانہ طور پر اکرم کو چند گالیاں دیں۔

سلمٰی نے ساری بات سننے کے بعد اس جملے کے علاوہ کچھ نہیں کہا اور شوہر کو کام پر بھیج کر رانی کو ناشتہ کروایا۔ اس سے مزید دکھ کا اظہار کرنے کے بجائے، اسے لے کر بس اسٹینڈ کی طرف چل پڑی اور اپنے پیسوں سے لاہور کا ٹکٹ لے کر دیا۔ اسے بس میں بٹھاتے ہوئے ایک پتا کاغذ میں لکھا ہوا اسے پکڑایا اور بولی۔

"نیلو باجی کے پاس چلی جاؤ۔ میں انھیں فون بھی کر دوں گی۔ اس وقت وہ ہی ہیں جو تمہاری مدد کر سکتی ہیں۔" رانی نے اچھی طرح سمجھتے ہوئے سر ہلایا اور اپنا چہرہ نقاب میں چھپا لیا۔ سلمٰی کی ہدایت کے مطابق رانی نے سارے راستے نہ کسی سے بات کی اور نہ ہی کسی سے کوئی چیز لے کر کھائی۔

سلمٰی نے سختی سے سمجھایا کہ.....

"دنیا کے سمندر میں تیرنا ہے تو اپنے زور بازو پر اعتماد کرنا پڑے گا۔ ڈری، سہمی عورت ہر مرد کے لیے سب سے آسان اور تر نوالہ ہوتی ہے۔ آگے کی زندگی کیسے ہوگی؟ اس کا فیصلہ اب اسے خود کرنا تھا۔ سارے راستے بھاگتے دوڑتے منظروں کے ساتھ ساتھ، مختلف سوچوں میں گھری رانی نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔

"زندگی سے سب کچھ چھین لینے کا۔ اپنے حق سے بھی زیادہ۔"

☆☆☆

"عادل اب اندر بھی آ جاؤ۔ کب سے کھیل رہے ہو تم۔ چلو اچھی سی ڈزنی مووی دیکھتے ہیں۔"

عادل بہت خراب موڈ کے ساتھ پورچ میں کھڑا فٹ بال کو زور زور سے زمین پر مار رہا تھا جیسے اپنے اندر کا سارا غصہ فٹ بال پر نکال دینا چاہتا ہو۔ رمشا اسے کئی بار بلانے آئی مگر عادل ٹس سے مس نہیں ہوا۔ فریحہ نے گہری سانس لے کر اس کے ناراض چہرے کو دیکھا۔

کل رات ہونے والی ساری گفتگو سننے کے بعد سے اس کا مزاج ایسا ہی جارحانہ ہو رہا تھا۔ فریحہ کو بہت اچھی طرح سے اندازہ تھا کہ عادل بہت ضدی ہے۔ گھر کے حالات کی وجہ سے اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا ہے۔

اس وقت اندر سے ہنستے مسکراتے فیصل اور رانیہ نکلے۔ فیصل نے ایک سخت نگاہ عادل پر ڈالی جو لاپروا سا اپنے کھیل میں مگن تھا۔ فیصل رانیہ کو لے کر ڈاکٹر کے پاس جا رہا تھا۔ رانیہ کے پانچویں مہینے کے آخری کے دن چل رہے تھے۔ اس کے ظاہری حلیے میں واضح تبدیلی آئی تھی۔ وہ نزاکت سے چلتی ہوئی، گاڑی تک آئی۔ جب فیصل کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ وہ رانیہ کو ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے تھوڑا سا دور گیا۔

رانیہ نے طنزیہ نگاہ تھوڑی دور کھڑے عادل پر ڈالی اور سر جھٹک کر گاڑی کے دروازے کی طرف بڑھی، جب اچانک عادل نے زور سے کک ماری اور فٹ بال زور سے آ کر رانیہ کے پیٹ پر لگی۔ رانیہ نے خوف سے چیخ ماری۔ فریحہ اور فیصل ایک دم تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ فیصل نے جلدی سے رانیہ کو سہارا دیا۔ تب تک فریحہ بھی اس کے پاس آ گئی۔

"رانیہ تم ٹھیک تو ہو ناں۔" فیصل نے پریشانی سے پوچھا تو رانیہ کے چہرے پر تکلیف کے آثار بہت

www.PakiBooks.Site

واضح تھے اور اس نے نفی میں سر ہلایا۔
''فیصل اسے جلدی سے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔''
فریحہ نے کسی ممکنہ خدشے کے تحت کہا۔ فیصل نے رانیہ کو سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا اور پھر غصے سے بڑے بڑے قدم اٹھاتا عادل کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے کہ فریحہ اسے روکتی۔ فیصل نے کتنے ہی تھپڑ اس کے چہرے پر مارے کہ اس کے گالوں پر فیصل کی انگلیوں کے نشان ثبت ہو گئے۔
''فیصل۔ بس کرو۔ بچے کو اس طرح مارتے ہیں کیا؟'' فریحہ تڑپ کر آگے بڑھیں اور عادل کو اپنی بانہوں میں چھپا لیا۔
''تمہارا انتظام تو میں آ کر کروں گا! میں نے کہا تھا کہ وہ میری آخری وارننگ ہے۔ باز آ جاؤ مگر تم۔''
فیصل غصے سے پھنکارتا ہوا گاڑی کی طرف پلٹا۔
فریحہ نے سرخ چہرہ اور آنکھوں میں نمی لیے کھڑے عادل کا ماتھا چوما۔ فیصل تیزی سے گاڑی نکال کر رہ گیا۔
''فریحہ پھپھو۔ میں نے جان بوجھ کر مما کو نہیں مارا۔ میں امی کی قسم کھاتا ہوں۔'' عادل نے سسکتے ہوئے کہا تو فریحہ نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اس کے آنسو صاف کیے۔
''ہاں بیٹا میں جانتی ہوں۔ پاپا کی بات کا برا مت ماننا۔ انھیں غصہ آ گیا تھا۔''
فریحہ نے نرمی سے اسے سمجھایا تو وہ ان کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے اندر کی طرف بھاگ گیا۔ اسی وقت ڈری سہمی سی رمشا فریحہ کے پاس آئی اور اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔
''پھپھو۔ پاپا نے بھائی کو کیوں مارا؟ کیا مما کی طرح پاپا بھی سوتیلے ہو گئے ہیں؟'' رمشا نے حیرت سے سوال کیا۔ فریحہ نے دکھی دل کے ساتھ اس کے معصوم چہرے کی طرف دیکھا۔
وہ کتنی مجبور اور بے بس ہیں۔ انہیں اس بات کا بہت شدت سے اندازہ ہو رہا تھا۔ رمشا کو بہلا کر وہ اندر لے آئیں۔ عادل کمرے میں بند ہو گیا۔ فریحہ نے پریشانی سے وال کلاک کی طرف دیکھا اور پھر فیصل کو فون کیا مگر اس نے فون ریسیو نہیں کیا۔ فریحہ کی پریشانی بڑھ گئی۔ کچھ دیر کے بعد فیصل، نڈھال سی رانیہ کا ہاتھ تھامے گھر کے اندر داخل ہوا تو فریحہ فوراً ان کی طرف بڑھیں۔
''سب ٹھیک ہے ناں؟''
فریحہ کے پوچھنے پر فیصل نے اثبات میں سر ہلایا۔ رانیہ کو بیڈ پر لیٹا کر فیصل نے تھکی ہوئی سانس لی اور پاس رکھے صوفے پر گر گیا۔
''ڈاکٹر نے بہت احتیاط کرنے کا کہا ہے۔ سچی میری تو جان ہی نکل گئی۔ اگر رانیہ یا بچے کو کچھ ہو جاتا تو۔''
فیصل نے پریشانی نے کہا۔
''اللہ بہتر کرے گا۔ رانیہ تم ریسٹ کرو۔ میں تمہارے لیے کھانا بھیجتی ہوں۔'' فریحہ نے نرمی سے کہا اور مڑ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ انہوں نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ رانیہ ٹھیک ہے۔ نہیں تو پتا نہیں کیا ہوتا۔ بڑی مشکلوں سے فریحہ نے دونوں بچوں کو کھانا کھلا کر سلا دیا۔ خود کافی کا مگ بنا کر لاؤنج میں صوفے پر آ کر بیٹھ گئیں اور لیپ ٹاپ آن کر کے تیزی سے انگلیاں چلانے لگیں۔
اسکائپ پر اپنے بچوں اور شوہر سے ہلکی پھلکی گفتگو کرتے ہوئے انہیں اندازہ ہی نہیں ہوا کہ کتنا وقت گزر گیا ہے۔ چونکیں تو تب جب اچانک فیصل اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر، اڑے رنگ کے ساتھ باہر کی طرف بھاگا۔ فریحہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھیں۔
''کیا ہوا فیصل؟''
''آپی وہ رانیہ کی طبیعت۔'' فیصل نے ہاتھ سے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں رجو سہارا دے کر رانیہ کو کمرے سے باہر لا رہی تھی۔ رانیہ کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا ہو رہا تھا۔ فریحہ بھی تیزی سے

www.PakiBooks.Site

آگے بڑھیں۔ رانیہ کو بمشکل سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا۔

''میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔'' فریحہ نے کہا تو فیصل نے نفی میں سر ہلایا۔

''آپ بچوں کے پاس گھر میں رہیں۔ رجو ہے ہمارے ساتھ۔''

فیصل نے کہا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ چوکیدار نے فوراً گیٹ کھولا اور فیصل زن سے گاڑی بھگا کر لے گیا۔ پورچ میں فریحہ دل میں خیر کی دعائیں مانگتی کھڑی رہ گئیں۔ کچھ دیر کے بعد وہ اندر کی طرف بڑھیں۔ لاؤنج میں بے چین پھرتی، ادھر سے ادھر چکر لگاتی وہ مسلسل دعائیں مانگ رہی تھیں۔ کہ جب فیصل کا فون آ گیا۔ فریحہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ ہیلو کہا۔

''آپی! بیٹا تھا۔'' فیصل رو رہا تھا۔ فریحہ کے ہاتھ سے موبائل چھوٹتے رہ گیا۔

''او مائی گاڈ۔'' فریحہ کو جھٹکا لگا۔ کافی دیر دونوں بہن بھائی ایک دوسرے سے بات کرتے رہے۔

فریحہ نے اسے بہت تسلی دی۔ پھر فیصل نے فون بند کر دیا۔

''بے چاری رانیہ کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ کتنی خوش تھی وہ۔'' فریحہ نے دکھی دل کے ساتھ سوچا۔

☆☆☆

نیلوفر عمر میں چالیس کے قریب، سانولا رنگ، مناسب قد کی مالک ایک چالاک اور مکار عورت تھی۔ اس کے تین بچے تھے۔ جو اسکول میں زیر تعلیم تھے۔ شوہر اسے عقل سے پیدل ملا تھا، اس لیے نیلوفر کی بہت اچھی گزر رہی تھی۔ نیلوفر کا شوہر کویت میں تھا۔ جو سال میں ایک بار پاکستان آتا تھا۔

سلمٰی کی ماں نیلوفر کی ماں کی دور کی رشتہ دار تھی۔ مگر سلمٰی اور نیلوفر کی دوستی بہت گہری تھی۔ وجہ تھی ایک دوسرے کا ہم مزاج ہونا اور ایک دوسرے کے بہت سے پوشیدہ رازوں کا امین ہونا۔ شادی کے بعد اگرچہ دونوں کے تعلقات اور ملنے ملانے میں واضح کمی آئی تھی مگر دونوں کے درمیان دوستی اور محبت کا جو رشتہ کئی سال پہلے بنا تھا، وہ گزرتے وقت کے ساتھ بھی اپنی جگہ پر قائم تھا۔

رانی اس کے گھر جب پہنچی تو دوپہر ڈھل رہی تھی۔ سفر کی تھکان، بھوک، پیاس سے نڈھال رانی نے بیل بجائی تو دروازہ ایک تیز و چالاک لڑکی نے کھولا۔ گیٹ پر کھڑے کھڑے رانی کا جائزہ لینے اور مختلف سوالات کرنے کے بعد وہ دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد آئی۔

''اندر آ جائیں۔''

اس لڑکی نے منہ بنا کر کہا۔ اس لڑکی کا حلیہ رانی سے بہت بہتر تھا۔ سلیقے سے سیٹ کیے ہوئے بال، صاف ستھرا لباس اور نخرے سے بولتی وہ رانی کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے اندر کی طرف چل پڑی۔ رانی آس پاس دیکھتی ہوئی اس کے پیچھے چلنے لگی۔ وہ دل ہی دل میں اندازہ لگا رہی تھی کہ یہ لڑکی کون ہو سکتی ہے؟ سلمٰی کی باتوں کے مطابق نیلوفر درمیانی عمر کی تھی۔ پھر اس کی اتنی بڑی بیٹی نہیں ہو سکتی تھی۔

''ہو سکتا ہے اس کی کوئی رشتہ دار یا بیٹی ہو۔''

رانی سوچتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہوئی۔

''تم یہاں رکو۔ نیلو باجی۔ ابھی آتی ہیں۔''

وہ لڑکی اسے وہاں کھڑا کر کے چلی گئی۔

رانی نے گہری سانس لی اور آس پاس کا جائزہ لینے لگی۔

گھر مناسب ہی تھا مگر بے تحاشا خریدے گئے سامان کی وجہ سے بہت گھٹا گھٹا سا لگ رہا تھا۔ رانی کھڑے کھڑے تھک گئی۔ جب تیز خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ رانی نے سر اٹھا کر سامنے کی طرف دیکھا تو ایک عورت بہت غرور سے چلتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی۔ رانی پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر خاموشی سے اس کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر اس نے اسے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

www.PakiBooks.Site

رانی جھجکتے ہوئے صوفے کے کونے میں ٹک گئی۔ اس وقت وہ لڑکی ٹرے میں جوس کے دو گلاس رکھ کر لے آئی۔ ایک اس نے نیلوفر کو پیش کیا اور دوسرا رانی کو۔

رانی کا پیاس کی شدت سے برا حال ہو رہا تھا۔ اس نے غنیمت جانا اور جلدی سے گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ ٹھنڈا جوس پی کر اسے آسرا ہوا۔ تب نیلوفر نے کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔

''سلمٰی نے مجھے تمہارے بارے میں تھوڑا بہت تو بتایا ہے مگر میں ساری کہانی تم سے سننا چاہوں گی۔''

نیلوفر کے کہنے پر رانی نے گہری سانس لی اور آہستہ آواز میں اسے اپنی بارے میں سب بتانے لگی۔ ساری بات سننے کے بعد نیلوفر تمسخرانہ مسکراہٹ چہرے پر سجا کر بولی۔

''تمہارا سب سے بڑا مسئلہ تمہاری بری قسمت نہیں۔ تمہاری سوچ اور خود ساختہ مظلومیت ہے۔ تم نے اگر پہلے دن سے اپنے سسرال والوں کو ان کی اوقات میں رکھا ہوتا تو آج یہ دن نہیں دیکھنا پڑتا۔ خیر جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ اب آؤ اصل بات کی طرف۔''

نیلوفر نے توقف کیا اور پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''دیکھو رانی۔ میں نے بے سہاروں کو سہارا دینے کا ٹھیکا نہیں لے رکھا ہے۔ سلمٰی کی بات کی لاج رکھتے ہوئے، میں تمہیں سر چھپانے کا ٹھکانہ تو دے سکتی ہوں مگر مفت میں ہرگز نہیں۔ آج کل مجھے مستقل ملازمہ کی ضرورت ہے۔

کیونکہ ریشم کی اگلے مہینے شادی ہے اور یہ چلی جائے گی۔ اگر تم راضی ہو تو ریشم جانے سے پہلے تمہیں سب کام سمجھا دے گی۔ میں تمہیں مناسب تنخواہ بھی دوں گی اور تمہاری سب بنیادی ضرورتیں بھی پوری کروں گی۔ بولو منظور ہے۔''

رانی دل سے راضی نہیں تھی مگر فی الحال اس کے پاس کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تو نیلوفر نے کچن میں کام کرتی ریشم کو آواز دی۔

''ریشم۔ جب تک تم یہاں ہو، رانی کو سب کام سمجھا اور سکھا دینا۔ ابھی اسے اپنے ساتھ سرونٹ کوارٹر میں لے جاؤ۔ یہ آج سے تمہارے ساتھ ہی رہے گی۔'' رانی نے حیرت سے ریشم کی طرف دیکھا۔ جس نے منہ بنا کر اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

''یہ کام والی ہے؟ اپنے حلیے سے تو نہیں لگتی ہے۔'' رانی اس کے پیچھے چلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''آجاؤ۔ یہ چھوٹا سا کمرہ ہے۔ آج سے تمہارا ہوا۔ میں تو بس کچھ دنوں کی مہمان ہوں۔ شکر ہے یہاں سے نکلوں گی۔'' ریشم نے اپنے دونوں بازو پھیلا کر خوشی سے گول گول گھومتے ہوئے کہا۔

''تم یہاں خوش نہیں تھیں۔''

رانی نے حیرت سے سوال کیا۔ ریشم رک گئی اور پھر اس کی طرف ایسے دیکھا جیسے اس کی عقل پر ماتم کر رہی ہو۔

''خوش؟ کیا قید میں کوئی بھی خوش رہتا ہے؟ خیر تمہیں ان باتوں کی سمجھ خود ہی آجائے گی۔ ابھی اچھی طرح کان کھول کر سن لو۔ یہ سنگل بیڈ میرا ہے۔ اس طرف والا سارا سامان اور چیزیں میری ہیں۔ ان کی طرف دیکھنا بھی منع ہے اور استعمال کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ باہر صحن میں ایک چارپائی پڑی ہوئی ہے۔ وہ تم اس کونے میں ڈال لو۔ بستر تمہیں مل جائے گا۔ باقی سب کچھ بھی! اور ایک بات۔

اپنے کام سے کام رکھنا۔ میرے معمولات میں مداخلت مت کرنا۔ آئی سمجھ میں۔''

ریشم اس سے عمر میں دو تین سال ہی چھوٹی تھی مگر رعب ایسے جما رہی تھی جیسے رانی کوئی ناسمجھ بچی ہو۔ رانی نے اسے کوئی بھی جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور سر ہلا کر رہ گئی۔

''ویسے اگر تم اسی طرح خاموش رہو گی تو ہماری اچھی دوستی بھی ہو سکتی ہے۔''

ریشم نے مسکراتے ہوئے کہا تو رانی گہری

www.PakiBooks.Site

سانس لے کر رہ گئی۔

وہ ریشم کو کیا کہتی کہ وہ ابھی جس حالت اور مقام پر کھڑی ہے وہاں پر سب کی بات سن کر خاموش رہنا اس کی مجبوری ہے، عادت نہیں۔

☆☆☆

''اٹھو جانو۔ تم نے اپنی کیا حالت بنائی ہوئی ہے۔ چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔'' فیصل نے اجاڑ حلیے میں لیٹی رانیہ کو محبت سے پکارا رانیہ نے بے زاری سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''میرا دل نہیں کر رہا۔'' رانیہ نے اپنے بکھرے بالوں کو ہاتھ سے سمیٹ کر جوڑا بنایا اور بستر سے اٹھ گئی۔

''رانیہ۔'' فیصل نے اس کا ہاتھ پکڑا تو رانیہ رک گئی مگر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

''کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟'' فیصل نے پوچھا تو رانیہ نے پلٹ کر تیز نظروں سے اسے گھورا۔

''نہیں۔ آپ کا کیا قصور۔ ساری غلطی تو میری تھی مجھے ہی سوچنا چاہیے تھا کہ یہاں میرے بچے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں پہلے سے ہی آپ کے بچے موجود ہیں۔'' رانیہ نے کاٹ دار لہجے میں کہا تو فیصل شرمندگی سے سر جھکا کر رہ گیا۔

''رانیہ۔ میں سچ میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں عادل کے ساتھ بہت بری طرح پیش آیا مگر فریحہ آپی درمیان میں آ گئیں۔ نہیں تو پتا نہیں کیا ہو جاتا۔'' فیصل نے افسردگی سے کہا۔ اسے یہ بھی دکھ تھا کہ زندگی میں پہلی بار اس نے عادل کو اتنی بری طرح مارا تھا۔

''آپ کو شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میری قسمت۔'' رانیہ نے رخ پھیر کر کہا۔ فیصل نے اسے واپس بیڈ پر بٹھاتے ہوئے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''تمہارا اور میرا دکھ الگ نہیں ہے رانیہ۔ وہ میرا بھی بچہ تھا۔ تمہاری طرح مجھے بھی اس کی آمد کا بہت بے چینی سے انتظار تھا۔ مگر جو رب کی مرضی۔''

فیصل کے کہنے پر رانیہ تڑپ کر بولی۔

''عادل کی غلطی کو رب کی مرضی کا نام مت دیں۔ اس نے یہ جان بوجھ کر کیا ہے۔ آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اس نے مجھے ماں کے طور پر قبول نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کرے گا۔ اس کا مطلب میں تو کبھی بھی۔'' رانیہ نے کہتے ہوئے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

''نہیں رانیہ۔ تم ایسا مت سوچو۔ میں نے اس مسئلے کا حل سوچ لیا ہے۔''

فیصل جو کافی دنوں سے ایک فیصلہ کرنا چاہ رہا تھا مگر ہر بار اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر رہ جاتا۔ ایک دم سے ہی اس فیصلے پر عمل درآمد کا ارادہ کر لیا۔

''وہ کیا؟'' رانیہ نے جھکا ہوا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ فیصل نے ایک نظر اس کے کمزور چہرے پر ڈالی اور دھیرے دھیرے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے لگا۔ فیصل کی بات سن کر رانیہ نے بظاہر کچھ ظاہر نہیں کیا اور بس اثبات میں سر ہلا کر اتنا کہا۔

''جیسے آپ کی مرضی۔ میں تیار ہو کر آتی ہوں۔'' رانیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈریسنگ روم کی طرف چل گئی۔ فیصل نے سکون کی سانس لی۔

آج اتنے دنوں کے بعد دل سے تیار ہوتی رانیہ خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے مسکرا دی۔

''یہ ہی تو میں چاہتی تھی فیصل۔ چاہے کسی طرح ہی سہی مگر آپ نے اس بارے میں سوچا تو سہی۔''

رانیہ نے اپنی چالاکی پر خود کو داد دی اور ڈریسنگ روم سے باہر نکل آئی۔

''اب لگ رہی ہو ناں میری رانیہ۔'' فیصل نے اسے سراہتے ہوئے کہا تو رانیہ دھیرے سے مسکرا دی۔

فیصل اور رانیہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گھر سے نکل گئے۔ یہ دیکھے بغیر کہ کوئی اور بھی پچھلے کئی دنوں سے بہت اداس اور پریشان پھر رہا تھا۔ عادل کا معصوم چہرہ مرجھا کر رہ گیا تھا۔ وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی

www.PakiBooks.Site

مجرم ٹھہرایا گیا۔ اسے اپنے باپ کی مار اور نفرت کا سامنا کرنا پڑا۔

وہ باپ جو ان کی چھوٹی سی تکلیف پر تڑپ جاتا تھا۔ اب اپنے بچے کی اذیت اور تکلیف سے لاپروا، صرف اپنی بیوی کو منانے اور خوش کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ عادل کے آنسو، اس کی پریشانی، اس کی تکلیف، جو سب کو نظر آرہی تھی مگر اس کے باپ کو نہیں۔

فریحہ اس بگڑتی صورت حال سے سخت پریشان تھیں۔ ان کے لیے فیصل کا اتنا سخت رویہ بہت تکلیف دہ اور پریشان کن تھا۔ فیصل باپ تھا۔ اسے رانیہ اور بچوں میں توازن رکھنا چاہیے تھا مگر اس کا جھکاؤ صرف اور صرف رانیہ کی طرف تھا۔ فریحہ جو بات سمجھ گئی تھیں وہ فیصل کو نہیں سمجھا پا رہی تھیں۔ جن بچوں کو فیصل اتنی محبت اور توجہ سے پال رہا تھا، ان سے ایک دم سے ہی لاپروا ہونا ان کی شخصیت کو توڑنے کے مترادف تھا۔

فریحہ عادل اور رمشا کو بٹھا کر بھی بار بار سمجھا چکی تھیں مگر وہ دونوں بچے جب ان سے سوال کرتے کہ.....

''پھپھو۔ پاپا پہلے تو ایسے نہیں تھے۔''

تو فریحہ لاجواب ہو کر چپ ہو جاتیں۔ بچوں کے لیے اس بات کو سمجھنا بہت مشکل تھا کہ ایک عورت کے آنے سے ان کا باپ اس حد تک بدل جائے گا۔

''عادل بیٹا۔ مما آئیں گی تو آپ ان سے سوری کہہ دینا۔ جو بھی ہے آپ کی وجہ سے انھیں تکلیف تو پہنچی ہے ناں۔'' فریحہ نے نرمی سے اسے سمجھایا تو عادل کچھ کہتے کہتے چپ کر گیا۔

''جی پھپھو۔'' عادل نے سر جھکا کر کہا تو فریحہ نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما۔ رات کو جب رانیہ اور فیصل واپس آئے تو لاؤنج میں بیٹھے عادل نے رانیہ کو سوری کہا تو وہ ایک نظر اس پر ڈال کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ فیصل نے ایک سرد نگاہ عادل پر ڈالی اور اس کے پیچھے حیرت زدہ کھڑی فریحہ کی طرف دیکھا۔

''اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے آپی۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔'' فیصل نے کہا۔

''کیسا فیصلہ؟'' فریحہ نے حیرت سے پوچھا۔

''میں عادل کو ہاسٹل میں داخل کروا رہا ہوں۔'' فیصل نے کہا تو فریحہ کے ساتھ ساتھ عادل بھی چونک گیا۔

''میں ہاسٹل نہیں جاؤں گا۔'' عادل نے غصے سے کہا۔

''دیکھتا ہوں تم کیسے ہاسٹل نہیں جاؤ گے۔'' فیصل نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''فیصل میری بات سنو۔ میرے خیال سے تم جلد بازی میں غلط فیصلہ لے رہے ہو۔'' فریحہ تیزی سے آگے بڑھیں۔

''نہیں آپی۔ مجھے یہ فیصلہ بہت پہلے ہی لے لینا چاہیے تھا۔ عادل نے رانیہ کو قبول نہیں کیا۔ اس وجہ سے نہ وہ اپنی پڑھائی پر توجہ دے پا رہا ہے اور نہ گھر میں سکون۔ اس کے اچھے مستقبل کے لیے مجھے یہ قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔'' فیصل نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''عادل بیٹا! جاؤ اپنے کمرے میں۔''

فریحہ نے نرمی سے کہا تو عادل غصے سے پاؤں مارتا وہاں سے چلا گیا۔ فیصل تھک ہار کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''فیصل میرے بھائی۔ تم جلد بازی میں ایک غلط فیصلہ لے رہے ہو۔ عادل ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اسے خود سے دور مت کرو۔'' فریحہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھایا۔ فیصل نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''فریحہ آپی۔ آپ نہیں سمجھ رہیں۔ عادل سوتیلی ماں کے تصور سے باہر نہیں نکل رہا۔ وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتا ہے اور آپی۔ آپ فکر کیوں کر رہی ہیں۔ میرا بیٹا ہے وہ۔ اپنی جان سے پیارا۔ میں اسے اسی شہر کے ہاسٹل میں کرواؤں گا۔ میری

www.PakiBooks.Site

نظروں کے سامنے ہی رہے گا وہ۔ ہر ویک اینڈ پر گھر لے کر آیا کروں گا۔ مگر یہ تھوڑا سا فاصلہ پیدا ہونا بہت ضروری ہے۔ تاکہ اسے بھی رشتوں کی اہمیت اور قدر ہو۔ یہ نہ ہو کہ اس کی دیکھا دیکھی کہیں رمشا بھی اس کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دے۔"

فیصل نے تفصیل سے بتایا تو فریحہ سوچ میں پڑ گئیں اور پھر کچھ دیر کے بعد بولی۔

"پھر بھی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا فیصل۔ بچے بہت حساس ہوتے ہیں۔ بچپن کی باتوں اور فیصلوں کو ساری زندگی نہیں بھولتے ہیں۔"

"آپی میں نے سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔ آپ بس دعا کریں کہ سب ٹھیک ہو جائے!" فیصل نے یقین سے کہا تو فریحہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

آنے والے وقت کے بارے میں کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا مگر ماضی میں کیے اکثر فیصلوں کی دھمک، مستقبل میں بہت دور اور بہت دیر تک ضرور سنائی دیتی ہے۔

☆☆☆

رانی کو یہاں آئے ہوئے ابھی کچھ دن ہی ہوئے تھے مگر اب کی بار وہ اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں اور قابلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے حالات کا تجزیہ کر رہی تھی۔ اسے بہت جلد اندازہ ہو گیا کہ نیلوفر نہایت تیز اور مطلبی عورت ہے۔ اگر رانی اس سے بنا کر رکھتی تو اسے بہت سے فائدے ہونے تھے مگر رانی ساری زندگی اس تھوڑے سے فائدے کے ساتھ نہیں گزارنا چاہتی تھی۔ نیلوفر خوش تھی کہ اسے رانی کی صورت میں ایک سیدھی سادی اور کم گو لڑکی مل گئی ہے۔ وہ رانی سے زیادہ سے زیادہ کام لینے لگی۔ ریشم شہر کی پلی بڑھی اور بہت تیز لڑکی تھی۔ وہ اضافی کام کے پیسے مانگتی تھی۔ اکثر تو اپنے کام میں بھی ڈنڈی مار جاتی مگر رانی اپنی ذمہ داریوں سے بھی زیادہ کام کرتی تھی۔ ایک دن نیلوفر اپنی کسی سہیلی کے ساتھ شاپنگ پر گئی ہوئی تھی۔ بچے کھیل میں مگن تھے۔ ریشم نے ٹھنڈے ٹینگ کا جگ بنایا اور رانی کو آواز دے کر چھوٹے سے لان میں بلا لیا۔

"نیلوفر باجی کو پتا چلا تو بہت برا مانے گی۔" رانی نے ٹینگ کے جگ کی طرف اشارہ کیا۔

"چھوڑ اپنی باجی کو۔ کبھی تو بھی مزے کر لیا کر۔ آجا دیکھ موسم کتنا سہانا ہے۔ ہم کیوں کمروں میں بند رہیں! ہمارا بھی حق ہے زندگی پر۔ یہ لے ٹھنڈا ٹینگ پی اور دعا دے مجھے۔ کیسی عیاشی کروائی تجھے۔"

ریشم نے گلاس بھر کے رانی کی طرف بڑھایا۔ جسے رانی نے مسکراتے ہوئے تھام لیا۔ وہ دونوں ہری بھری گھاس پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے کتنا ہی وقت گزر گیا۔ رانی کو بھی یہ نئی تبدیلی اچھی لگ رہی تھی۔

"ویسے ایک بات تو بتا۔" ریشم نے آگے ہو کر رازداری سے پوچھا۔ رانی نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تو نے آگے کا کیا سوچا ہے؟ کیا ساری عمر اس عیار عورت کی غلامی ہی کرے گی یار۔" ریشم نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ رانی گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"ابھی تو میرے پاس اس چھت کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" رانی نے افسردگی سے کہا۔

"یعنی کہ تیرا بھی یہاں رکنے کا ارادہ نہیں ہے۔" ریشم نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو رانی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ ریشم اس کی شکل دیکھ کر ہنس پڑی۔ رانی کا چہرہ ایسا بن گیا تھا جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔

"دیکھ رانی۔ عمر میں، میں بھلے تجھ سے چھوٹی ہوں مگر عقل میں تجھ سے کئی سال آگے۔ دنیا دیکھی ہوئی ہے میں نے۔ خیر ایک بات پلے سے باندھ لے کہ تو چاہے یہاں کتنی بھی جان مار لے، تب بھی تجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میں نیلوفر باجی کو اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ بہت کنجوس عورت ہے۔ اپنی مرضی

www.PakiBooks.Site

سے ہزاروں روپے اڑا دے گی مگر کسی کو فالتو میں ایک روپیہ بھی نہیں دیتی ہے۔

کھانا چاہے فریج میں پڑا پڑا سڑ جائے، ڈسٹ بن میں پھینک دے گی مگر کسی کو دے گی نہیں۔ اس لیے یہاں رہنا ہے تو اپنی آنکھیں اور عقل استعمال کر کے رہنا۔ بس تو مجھے دیکھتی جا۔ میں تجھے ہر چیز میں ماہر بنا دوں گی۔'' ریشم نے فخریہ انداز میں کہا تو رانی نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر آنے والے دنوں میں ایسا ہی ہوا۔ کچھ ہی ہفتوں میں ریشم نے رانی کو ہر چیز میں طاق کر دیا۔ رانی فطرتاً ہوشیار تھی۔ اس میں سیکھنے سے زیادہ کاپی کرنے کی صلاحیت تھی۔ وہ ہر چیز کو بہت غور سے دیکھتی اور پھر اس کی ہو بہو کاپی کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ ایک کمزور شخصیت کی مالک تھی اس لیے اپنے آس پاس موجود سب لوگوں کے اثر کو فوراً قبول کر لیتی۔

ریشم کے ساتھ رہنے سے اسے بہت سے فائدے ہوئے۔ وہ آس پاس کے سب گھرانوں سے واقف ہو گئی۔ جہاں جہاں ریشم کی اچھی سلام دعا تھی، وہاں اب رانی بھی جانی پہچانی جاتی تھی۔ ریشم نے اسے آس پاس کی مارکیٹ اور بازار سے بھی متعارف کروا دیا تھا۔ رانی یہاں آ کر خوش تو نہیں مگر مطمئن ضرور تھی۔

ایک دن نیلوفر کی بڑی بیٹی سات سالہ زینب نے اسکول کا کام کرنا تھا مگر طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہ اکیڈمی نہیں جا سکی۔ اب وہ ماں کے پیچھے پیچھے کاپی لے کر پھر رہی تھی کہ اسے کام کروا دیں، نہیں تو کل اسکول میں مس سے ڈانٹ پڑے گی۔ نیلوفر کی تعلیم اتنی نہیں تھی۔ اس لیے وہ مسلسل اپنی بیٹی کو ٹال رہی تھی۔ جب کام سے فارغ ہو کر رانی نے اسے پاس بٹھا کر ہوم ورک کروایا تو نیلوفر کے ساتھ ساتھ ریشم بھی چونک گئی۔

''تم پڑھی لکھی ہو رانی۔'' نیلوفر نے حیرت سے سوال کیا۔

''جی میں نے میٹرک کیا تھا۔ جب ابا نے میری شادی کر دی تھی۔'' رانی نے فخریہ لہجے میں بتایا تو نیلوفر حسد کا شکار ہو گئی۔

''اونہہ۔ گاؤں کی تعلیم کیا ہونی ہے۔ میں نے بھی ایف۔ اے کیا تھا جب میری شادی ہوئی۔ پہلے اپنے بچوں کو میں ہی پڑھاتی تھی۔ وہ تو اب وقت ہی نہیں ملتا۔ اس لیے اکیڈمی بھیج دیتی ہوں۔''

نیلوفر نے حاسدانہ انداز میں کہا اور پھر کچھ سوچ کر سر ہلانے لگی۔

''ایسا کرو رانی۔ کل سے تم ہی اس کو گھر میں پڑھا دیا کرنا۔ میں تمہیں اس کے بدلے چھ سو زیادہ دے دیا کروں گی۔ اچھا ہے ناں بچے آرام سے گھر میں ہی پڑھ لیا کریں گے اور تمہاری بھی آمدنی میں اضافہ ہو جائے گا۔'' نیلوفر نے ایسے کہا، جیسے اس پر احسان کر رہی ہو اور رانی کی بات سنے بغیر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ رات کو وہ دونوں سونے کے لیے لیٹیں تو ریشم بولی۔

''تم بہت بڑی بے وقوف ہو۔ اگر تم پڑھی لکھی تھیں تو جاہل عورتوں والے کام کیوں کر رہی تھیں۔ تم کوئی اور کام بھی تو کر سکتی ہو۔ اب نیلوفر باجی کی چالاکی دیکھی۔ تمہیں چھ سو میں ٹرخا دیں گی اور اکیڈمی کی ہزاروں روپے کی فیس بچا کر، تمہارے سر احسان بھی چڑھا لیا۔ حد ہے یار۔''

''میٹرک پاس کو کس نے کیا کام دینا تھا؟ اور ویسے بھی میں جس طرح کے حالات میں آئی تھی، اس وقت تو جو بھی کام ملتا، غنیمت ہی تھا۔''

رانی نے اپنی کمر سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ ریشم بھی لیٹی چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔ موسم بدل رہا تھا۔ گرمیاں اپنے اختتام پر تھیں۔ اس لیے پنکھے کی ہوا میں بھی ایک سکون سا محسوس ہو رہا تھا۔

''ویسے اگر تم اپنی تعلیم جاری رکھ سکو تو بہت اچھا ہو جائے گا۔ میں ایک باجی کو جانتی ہوں۔ وہ ہی جن کے گھر میں تمہیں لے کر گئی تھی۔ راضیہ باجی۔''

ریشم نے اس کی طرف کروٹ بدلتے ہوئے کچھ یاد دلایا۔

www.PakiBooks.Site

''وہ جو پارلر چلاتی ہیں۔'' رانی نے کہا تو ریشم نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں۔ وہ بہت اچھی ہیں۔ ان کے بچے نہیں ہیں۔ بے چاری اپنا وقت کاٹنے کے لیے گھر میں ہی پارلر چلاتی ہیں اور ساتھ ہی محلے کی لڑکیوں کو پڑھا بھی دیتی ہیں۔ کل ہم چلیں گے۔ ان سے بات کرنے۔'' ریشم نے امید کی ایک نئی کرن اس کے ہاتھوں میں تھمائی تھی۔ پھر ریشم تو سو گئی مگر رانی رات دیر تک یہ ہی سوچتی رہی کہ اسے اگر اس مشکل وقت سے نکلنا ہے تو محنت کرنی ہی پڑے گی۔ نہیں تو وہ ساری زندگی نیلوفر کی غلامی کرتی رہ جائے گی۔

رانی کے دل کو یہ بات بہت چبھتی تھی کہ نیلوفر نے اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا ہے اور اسے پناہ دینے کے بہانے اپنا غلام بنالیا۔

''مجھے اب کسی کی غلامی نہیں کرنی ہے۔'' رانی نے خود سے ایک عہد کیا اور آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

''پاپا۔ پلیز بھائی کو مت لے کر جائیں۔ میں بھائی کے بغیر کیسے رہوں گی۔'' رمشا تیزی سے بھاگ کر باہر پورچ میں آئی تھی۔ اس کا معصوم چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے اپنے ٹیڈی بیئر کو تھامے اور ایک ہاتھ سے عادل کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ فریحہ نے لاؤنج کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس منظر کو دیکھا۔ انہیں لگ رہا تھا جیسے کوئی ان کے وجود کو کئی حصوں میں تقسیم کر رہا ہو۔ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دونوں بچوں کو ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھیں مگر کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔

''رمشا۔ بھائی آپ سے ملنے آتا رہے گا۔ ابھی آپ اندر جاؤ۔'' فیصل نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا تو رمشا نے نفی میں سر ہلایا۔

جبکہ عادل سپاٹ چہرہ لیے ہر چیز سے لاتعلق کھڑا تھا۔

''بھائی مت جاؤ۔'' رمشا نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا تو عادل کا سکتہ ٹوٹا اور وہ اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ کر نرمی سے اس کے گال پر پھیلے آنسو صاف کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''رمشا گڑیا۔ آپ رو مت۔ میں ہمیشہ آپ کے پاس ہی رہوں گا۔ بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ میں آجاؤں گا۔ آپ کسی سے ڈرنا مت۔'' عادل نے اسے سمجھایا۔ رمشا نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''بھائی مجھے آپ کے بغیر بہت ڈر لگے گا۔ میں اکیلی کیا کروں گی۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں پلیز بھائی۔'' رمشا نے بے چارگی سے کہا تو عادل اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر باپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

''آپ جو بھی کہیں گے میں کروں گا۔ مگر مجھے میری بہن سے دور مت کریں۔''

عادل کا لہجہ پست ضرور تھا مگر انداز نہیں! فیصل نے ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی اور پھر کچھ فاصلے پر کھڑی رانیہ پر۔ جس نے آگے بڑھ کر روتی ہوئے رمشا کو خود سے لگالیا۔ فیصل کو تسلی ہوئی اور وہ بولا۔

''فیصلہ ہو چکا ہے۔ تم گاڑی میں بیٹھو۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔''

عادل نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ رانیہ کو دیکھ کر اس کا چہرہ تن گیا اور وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

''چھوڑو میری بہن کو۔''

عادل نے رمشا کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ رانیہ طنزیہ مسکراہٹ سے فیصل کی طرف دیکھتی، پیچھے ہٹ گئی۔ فیصل لب بھینچے آگے بڑھا۔

''تم کبھی نہیں سدھر سکتے۔'' فیصل نے کہتے ہوئے عادل کا بازو کھینچا۔

''نہیں۔ میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں اپنی بہن کو اس عورت کے پاس نہیں چھوڑ کر جاؤں گا۔ یہ مار دے گی میری بہن کو۔''

عادل پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ فیصل اسے گھسیٹتے ہوئے گاڑی تک لایا۔ اتنی دیر میں فریحہ بھی ان تک پہنچ گئیں۔ فیصل نے ایک جھٹکے سے رمشا اور

www.PakiBooks.Site

عادل کا ہاتھ چھڑوایا اور کار کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اسے اندر دھکا دیا اور زور سے دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔

''آپی! آپ رمشا کو سنبھالیں۔ میں اسے ہاسٹل چھوڑ کر آتا ہوں۔''

فیصل نے فرنٹ سیٹ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

''فیصل پلیز ایک بار ٹھنڈے دل سے سوچ لو۔''

فریحہ نے روتی بلکتی رمشا کو خود سے لگاتے ہوئے التجا کی مگر فیصل کچھ بھی کہے بغیر گاڑی میں بیٹھا اور تیزی سے گھما کر گاڑی کھلے گیٹ سے باہر نکالنے لگا۔

گاڑی کے بیک شیشے سے چپکے عادل نے روتے ہوئے رمشا کو ہاتھ ہلایا۔ فیصل چلا گیا اور پیچھے پورچ میں فریحہ اور رمشا ایک دوسرے سے لپٹ کر رو رہی تھیں۔ رانیہ نے گہری سانس لی اور انھیں روتا ہوا چھوڑ کر اندر کی طرف چلی گئی۔

''رجو۔ میرے لیے فریش اورنج جوس لاؤ۔''

''جی اچھا۔'' رجو نے تیزی سے اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں صاف کیں اور پلٹ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

ریشم جب یہاں سے گئی۔ رانی سب کچھ سیکھ چکی تھی۔ اب وہ بھی شہر کی چال بازیوں میں طاق تھی۔ ریشم کی شادی میں رانی نے بھی شرکت کی اور اسے بہت اچھا سوٹ تحفے میں دیا۔ ریشم اس کے آنے سے بہت خوش ہوئی۔

دن اپنی مخصوص رفتار میں گزر رہے تھے۔ رانی نے دوپہر کا وقت اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب گھر کے سب افراد آرام کر رہے ہوتے۔ رانی اس وقت راضیہ باجی کے گھر چلی جاتی جو گلی کی نکڑ پر تھا۔ وہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ، پارلر کا کام بھی سیکھ رہی تھی۔ راضیہ بھی تنہائی کی ماری ہوئی عورت تھی۔ رانی کی صورت میں اسے بھی ایک ہمدرد مل گیا۔ شام کے وقت وہاں محلے کی اور بھی لڑکیاں کام سیکھنے آ جاتیں مگر تب تک رانی واپس گھر چلی جاتی۔ اس لیے اس کی کسی اور سے زیادہ دوستی نہیں ہو سکی۔

نیلوفر کو رانی کی تھوڑی دیر کی آزادی بھی بری لگتی تھی۔ وہ اکثر رانی کو کسی نہ کسی بہانے روکنے کی کوشش کرتی۔ کبھی اسے فون کر کے واپس بلا لیتی۔ پہلے پہل تو رانی مروّت میں مان جاتی مگر پھر اس نے بھی جھوٹ کا سہارا لے کر کوئی نہ کوئی بہانہ کرنا سیکھ لیا۔ کچھ مہینے پہلے اس نے سستا سا موبائل لیا تھا۔ نیلوفر کا نمبر دیکھ کر وہ فون ہی نہیں اٹھاتی۔ نیلوفر اس کی حرکت پر تلملاتی مگر وہ رانی پر زیادہ سختی بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے کہ اتنے سستے میں اسے کوئی اور اچھی اور ایمان دار کام والی کا ملنا مشکل تھا۔ رانی رات کو سونے سے پہلے پڑھتی رہتی۔ وہ اپنی زندگی میں پوری طرح مگن تھی جب اس کی پرسکون زندگی میں اچانک ہلچل مچی۔

نیلوفر کو اطلاع ملی کہ اس کا شوہر اسد تین ماہ کی لمبی چھٹی پر گھر آ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی نیلوفر نے تیاریاں شروع کر دیں۔ روز وہ شاپنگ پر نکل جاتی۔ نئے نئے کپڑوں کے ڈھیر لگاتی۔ کبھی نئے پردے خرید کر لا رہی ہوتی کبھی کوئی اور سجاوٹ کی چیز۔ رانی کو جان بوجھ کر وہ مختلف کاموں میں الجھائے رکھتی تاکہ وہ یکسوئی سے نہ پڑھ سکے اور نہ ہی راضیہ کے پاس جا سکے۔

رانی اکثر جھنجھلا جاتی مگر اپنی مجبوری کا سوچ کر چپ رہتی۔ اللہ اللہ کر کے اسد کی آمد کا دن آیا۔ اسد کی عمر پینتالیس سال تھی۔ چھوٹا قد اور معمولی شکل و صورت کا مالک شخص! جس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہر چیز کا بہت تفصیلی جائزہ لیتی تھیں یا شاید صرف رانی کا ہی۔

پہلے رانی کو یہ اپنا وہم لگا کہ وہ جہاں بھی جاتی تھی دو آنکھیں اس کے تعاقب میں رہتیں مگر بہت

www.PakiBooks.Site

جلد ہی وہ جان گئی کہ اسد اسے کن اکھیوں سے دیکھتا رہتا ہے اور اکثر تنہائی میں موقع ملتے ہی اس سے بات کرنے کی کوشش بھی کرتا۔ رانی نے تو سنا تھا کہ اسد کاٹھ کا الو ہے مگر وہ تو بہت تیز اور چالاک مرد تھا۔ نیلوفر کی تعریفیں کر کر کے اسے آسمان پر چڑھائے رکھتا اور ساتھ ساتھ رانی پر بھی پوری نظر رکھتا۔ رانی کو آنے والا وقت بہت مشکل نظر آ رہا تھا۔

وہ رات کو بار بار اٹھ کر کنڈی چیک کرتی۔ کئی بار اسے یوں لگا جیسے کمرے کے باہر کوئی موجود ہے۔ وہ خوف سے اپنے بستر میں دبک جاتی اور اللہ سے مدد مانگتی۔ یہ اعصاب شکن صورت حال اسے کمزور کر رہی تھی۔ نہ اس کا کام سیکھنے میں دل لگ رہا تھا اور نہ ہی پڑھنے میں۔ پڑھنے میں وہ پہلے ہی بہت واجبی سے تھی۔ ابھی بھی اسے لگتا تھا کہ وہ بامشکل ہی پاس ہو سکے گی۔ مگر پھر بھی وہ کوشش کرنا چاہتی تھی۔ شاید یہ کوشش اس کی زندگی کا رخ بدل دیتی۔

☆☆☆

''آ گئے آپ۔'' مہکتی ہوئی رانیہ نے بہت ادا سے مسکراتے ہوئے چائے کا کپ فیصل کے سامنے میز پر رکھا۔ فیصل جو لاؤنج کے صوفے پر بے دم سا آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا۔ رانیہ کے پکارنے پر فوراً متوجہ ہوا اور چائے کا کپ دیکھ کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''ہاں فریحہ آپی کی فلائٹ لیٹ تھی۔ اس لیے ائیر پورٹ پر انتظار کرنا پڑا۔''

فیصل نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ خود بھی اپنی حالت کو نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ ایک بلاوجہ کی اداسی اسے گھیر رہی تھی۔

''آپ اداس ہیں۔'' رانیہ نے اس کے دل کا چور پکڑ لیا۔ فیصل نے کپ لبوں سے لگا لیا۔

''دراصل ایک دم سے سارا گھر خالی ہو گیا ہے ناں۔ پہلے عادل ہاسٹل گیا اور اب فریحہ آپی۔ مگر آپ فکر مت کریں۔ کچھ دنوں میں سب معمول پر آ جائے گا۔'' رانیہ نے اسے تسلی دی۔ فیصل اثبات میں سر ہلانے لگا۔

''امید تو ہے۔'' فیصل نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''آپ کہاں چلے۔'' رانیہ نے فوراً پوچھا۔

''ایک نظر رمشا کو دیکھ لوں۔ اپنے کمرے میں اکیلی ہے۔ کہیں ڈر ہی نہ جائے۔'' فیصل نے فکرمندی سے کہا اور رانیہ کا جواب سنے بغیر تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ رانیہ نے ناگواری سے منہ بنایا اور پھر اطمینان سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

''سب سے بڑا کانٹا تو وہ عادل تھا۔ جو بہت آسانی سے نکل گیا۔ اس ننھی کلی کو بھی دیکھ لوں گی۔''

رانیہ نے سوچا اور ریموٹ اٹھا کر بٹن دبایا۔ اسکرین روشن ہوتے ہی وہ مگن سی ہو کر ٹی وی دیکھنے لگی۔ جب رمشا کو گود میں اٹھائے، تیزی سے فیصل نیچے اترا۔

''رانیہ۔ حد ہے لاپروائی کی۔ رمشا اپنے کمرے میں بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور تمہیں کوئی خبر ہی نہیں!''

فیصل نے تلخ لہجے میں کہا اور رانیہ کی بات سنے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔

''فیصل رکیں میری بات تو سنیں۔'' رانیہ اسے پکارتی رہ گئی مگر فیصل تب تک جا چکا تھا۔

''اوہ! کیا مصیبت ہے۔ زندگی میں تھوڑا سا سکون آتا ہے کہ پھر کوئی نہ کوئی مسئلہ سر اٹھانے لگتا ہے۔'' رانیہ بے چینی سے لاؤنج کے چکر کاٹتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ فیصل کی واپسی ایک گھنٹے بعد ہوئی۔ رانیہ اس کی گاڑی کی آواز سن کر تیزی سے باہر نکلی۔

''کیسی ہے رمشا۔ توبہ میری تو جان ہی نکل گئی۔'' رانیہ نے آگے بڑھ کر فیصل کی گود میں سوئی رمشا کو پیار کیا۔

''ہوں۔ اب بہتر ہے۔ آپی کے جانے کا بہت صدمہ ہوا ہے اسے۔ تیز بخار کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی۔''

فیصل کہتے ہوئے آگے بڑھا اور رمشا کو اوپر

www.PakiBooks.Site

لے جانے کے بجائے اپنے کمرے میں لے گیا۔ رانیہ بل کھا کر رہ گئی مگر ابھی کچھ اور کہہ کر وہ اپنی پوزیشن خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔

''فیصل میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔ بس میں بھی اپنے ساتھ ہوئے حادثے میں اس طرح گم ہوگئی ہوں کہ اپنے آس پاس کی کوئی خبر ہی نہیں رہی مگر میرا وعدہ رہا۔ اگلی بار آپ کو شکایت کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔''

رانیہ کے کہنے پر فیصل کا کچھ دیر پہلے کا غصہ ایک دم سے غائب ہوگیا اور وہ نرمی سے بولا۔

''ہاں میں سمجھ سکتا ہوں۔''

''ایسا کریں کہ آپ سو جائیں۔ آپ نے صبح آفس جانا ہے۔ میں رمشا کو دیکھ لوں گی۔'' رانیہ نے ہمدردی سے کہا تو فیصل کا دل اطمینان سے بھر گیا۔

''تم میری فکر مت کرو۔ میں ٹھیک ہوں۔ تم جا کر دوسرے کمرے میں سو جاؤ۔ میں رمشا کے پاس ہی رہوں گا۔ اسے ابھی میری ضرورت ہے۔ آئی ہوپ یو انڈر اسٹینڈ۔'' فیصل کے کہنے پر رانیہ پھیکی مسکراہٹ چہرے پر سجائے کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

رانی اپنے خیالوں میں گم گھر میں داخل ہوئی۔ جب اس کا سامنا اسد سے ہوگیا۔ وہ جو کسی کام سے گھر سے باہر جا رہا تھا۔ رانی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی جبکہ رانی اسے دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئی۔

''سلام اسد بھائی۔'' رانی نے جھٹ سے کہا اور اس کے پاس سے گزرنے لگی۔ جب اسد نے اپنا ہاتھ پھیلا کر اس کا راستہ روکا۔ رانی نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جس پر عجیب سی مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔

''بھائی کہہ کر دل توڑ دیتی ہو تم۔'' اسد نے چھچھورے پن سے کہا۔

''جی؟'' رانی حیرت سے اتنا ہی کہہ سکی۔

''اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے؟ تم ہامی تو بھرو۔ میں تمہیں سچ میں اس گھر کی رانی بنا دوں گا۔''

''یہ کیا ہو رہا ہے یہاں۔'' نیلوفر کی تیز آواز پر اسد بوکھلا کر پلٹا۔ رانی کے چہرے کا بھی رنگ اڑ گیا۔

''کچھ نہیں۔ میں تو باہر جا رہا تھا۔ رانی ابھی واپس آئی ہے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔'' اسد نے بے ترتیب جملے بولے اور تیزی سے گھر سے باہر نکل گیا۔ نیلوفر کمر پر ہاتھ رکھے رانی کو گھور رہی تھی۔ رانی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے پاس سے گزر گئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی کتنی دیر نیلوفر وہاں کھڑی کسی سوچ میں گم رہی۔

اس کے اندر کہیں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ اسد حسن پرست ہے۔ یہ تو نیلوفر جانتی تھی اور اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ رانی اچھی شکل و صورت کی مالک تھی۔ اب تو اسے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ بھی آ گیا تھا۔ نیلوفر جانتی تھی کہ رانی مجبوری کی وجہ سے اس کے سب کام کرنے پر مجبور ہے۔ اور وہ کہیں سے بھی کام والی نہیں لگتی تھی۔

''جب تک اسد واپس چلا نہیں جاتا مجھے رانی پر کڑی نظر رکھنی ہوگی۔'' نیلوفر نے سوچا اور مطمئن ہو کر اندر چلی گئی۔

☆☆☆

''پاپا! مجھے بھائی سے ملنا ہے۔ بھائی کب آئے گا!''

رمشا نے روز کی طرح اپنا مطالبہ دہرایا تو فیصل گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ کچھ دیر پہلے آفس سے لوٹا تھا اور ابھی فریش ہو کر لاؤنج میں بیٹھا ہی تھا جب رمشا اپنے ٹیڈی بیئر کو سینے سے لگائے وہاں چلی آئی۔ فیصل نے اس کے مرجھائے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔ جہاں امید اور ناامیدی کے کئی رنگ ایک دوسرے میں مل کر عجیب سا تاثر پیدا کر رہے تھے۔

''بہت جلد۔'' فیصل کے پاس اس سے زیادہ

www.PakiBooks.Site

کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

''یہ بہت جلد کب آئے گا؟'' رمشا نے بے چینی سے سوال کیا۔

''جب آپ اچھے بچوں کی طرح اپنے پاپا کی بات مانو گی اور انھیں تنگ نہیں کروں گی۔''

رانیہ نے پاس آتے ہوئے نرمی سے کہا تو رمشا اسے دیکھ کر ڈر کر پیچھے ہٹی۔ جب سے عادل گیا تھا۔ وہ رانیہ کو دیکھ کر اسی طرح ڈر جاتی تھی۔

''میں کسی کو تنگ نہیں کرتی۔ کسی کو بھی۔'' رمشا خوف زدہ سے انداز میں کہتی ہوئی الٹے قدموں سے پیچھے ہٹتی گئی اور پھر وہاں سے بھاگ گئی۔

''رمشا۔'' فیصل کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا، رانیہ نے اسے باتوں میں لگا لیا۔

''آپ کی عادل سے بات نہیں ہوئی؟'' رانیہ نے بظاہر ہمدردی سے پوچھا۔

''میں نے بہت بار اسے کال کی مگر اس نے ہر بار بات کرنے سے انکار کر دیا۔ ابھی تک غصے میں ہے۔ اس لیے ضد میں آ کر ویک اینڈ پر بھی گھر نہیں آ رہا۔ میری بات ہوئی ہے ہاسٹل کے وارڈن سے۔ اس نے بہت تسلی دی ہے کہ ابھی نیا نیا آیا ہے۔ اس لیے ایسا کر رہا ہے۔ کچھ دنوں میں خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ تب آپ بچے کو گھر لے جانا۔''

فیصل نے اصل پریشانی سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا تو رانیہ سر ہلانے لگی۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں وہ۔ آخر اتنا بڑا اور مشہور اسکول ہے۔ وہ اپنے طالب علموں کا بہت خیال رکھتے ہوں گے۔ آپ نے پہلے ہی اتنی مشکل سے کئی لوگوں سے سفارش کروا کر اس کا داخلہ کروایا ہے۔''

رانیہ نے تسلی دی تو فیصل کہنے لگا۔

''دراصل یہ ہاسٹل تو دور سے یا دوسرے شہر سے آنے والوں کے لیے ہوتے ہیں۔ پرنسپل کو یہ ہی اعتراض تھا کہ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے اتنے چھوٹے سے بچے کو ہاسٹل میں کروانے کی کیا ضرورت ہے؟ بڑی مشکل سے عادل کو ہاسٹل میں جگہ ملی ہے مگر سچ پوچھو تو میرا دل اب بھی نہیں مان رہا کہ..... خود ہی تو سوچو۔ اس کی ابھی عمر ہی کیا ہے؟ نو سال کا ہوگا ہو وہ۔''

فیصل نے اپنے اندر کا پچھتاوا بیان کیا تو رانیہ کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے۔ جھکے ہوئے سر کی وجہ سے فیصل دیکھ نہیں سکا۔

''اگر آپ اس طرح سوچیں گے تو بہت جلد کمزور پڑ جائیں گے۔ بچوں کے اچھے مستقبل کے لیے والدین کو قربانی دینی ہی پڑتی ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ عادل گھر میں رہتے ہوئے ذہنی توڑ پھوڑ کا شکار ہو جائے۔ اس کی شخصیت میں کوئی کمی رہ جائے؟ نہیں ناں ۔۔۔ تو بس اپنے دل کو مضبوط کریں آپ اور ویسے بھی عادل کون سا ہم سے دور ہے۔ جب دل کرے گا اس سے مل آیا کریں گے بلکہ میں اسے روز کھانا بنا کر بھی بھیج دیا کروں گی اور.....''

رانیہ کے کہنے پر فیصل کے ذہن پر دھرا بوجھ کم ہوا، تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

''تم کتنی اچھی ہو رانیہ ۔۔۔ کتنی فکر کرتی ہو بچوں کی۔ ہاسٹل میں ہر چیز کا بہت اچھا انتظام ہے۔ کسی چیز کی پریشانی نہیں۔ بس عادل کو دیکھنے کے لیے دل بے چین ہو رہا ہے۔ ایک مہینہ ہو گیا ہے اسے دیکھے ہوئے۔''

فیصل کے لہجے میں ایک باپ کی محبت اور تڑپ جھلک رہی تھی۔ جو رانیہ کے خون میں حسد کی لہر بن کر دوڑنے لگی۔ پتا نہیں کیوں وہ بلاوجہ ہی دونوں بچوں سے خار کھانے لگی یا شاید وہ اپنی محرومی کا بدلہ اس طرح لے رہی تھی۔

''ایک حل ہے میرے پاس۔'' رانیہ نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

''اچھا وہ کیا؟'' فیصل نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔

''عادل ہم سے ناراض ہے ناں۔ اس لیے

www.PakiBooks.Site

ملنے نہیں آرہا۔ وہ نہیں آسکتا تو کیا ہوا۔ ہم سب اس سے ملنے چلتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ رمشا کو دیکھ کر اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ کیا خیال ہے؟''

رانیہ نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ پوچھا تو فیصل نے داد بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''بہت زبردست۔''

''پھر میں تیاری کروں۔'' رانیہ نے کہا۔

''کیسی تیاری؟'' فیصل نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میں عادل کی پسند کی سب چیزیں بنا کر لے جاؤں گی۔ ہم سب سارا دن اس کے ساتھ گزاریں گے اور کھانا بھی ساتھ ہی کھائیں گے۔'' رانیہ نے کہا تو فیصل نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''رانیہ تم کتنی اچھی اور فراخ دل کی مالک ہو۔ تم نے عادل کی سب غلطیوں کو کتنی آسانی سے معاف کر دیا ہے۔ آج مجھے فخر ہے اپنے انتخاب پر۔'' فیصل کے اعتراف نے رانیہ کو ساتویں آسمان پر پہنچا دیا۔ وہ ایک ادا سے مسکرائی۔

''سب آپ کی محبت کے صدقے۔'' رانیہ نے کہا تو فیصل کا دل خوشی سے بھر گیا۔

''یہ میری خوش نصیبی ہے۔'' فیصل نے بھی جواب دیا۔

☆☆☆

''رانی۔'' وہ جو کپڑے دھونے میں مگن تھی۔ اپنے قریب کسی کی سرگوشی سن کر اچھل ہی پڑی۔ پلٹ کر دیکھا تو اسد اسے ایسے گھور رہا تھا جیسے کبھی عورت کو دیکھا ہی نہیں۔ رانی نے جلدی سے پاس پڑا دوپٹا اٹھا کر اوڑھا۔ پچھلے صحن کی طرف کوئی نہیں آتا تھا۔ اس لیے وہ بہت آرام سے کپڑے دھو رہی تھی مگر اب اسے لگنے لگا کہ اسد کے ہوتے ہوئے اس کی اتنی لاپروائی، اس کے لیے نقصان دہ ہے۔ اسے بہت محتاط رویہ اپنانا ہوگا۔

''کیا ہے اسد بھائی؟'' رانی نے سخت لہجے میں پوچھا۔ تو اسد لوفرانہ انداز میں مسکرانے لگا۔ رانی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ دل کیا کہ کوئی چیز اٹھا کر اسے مار دے مگر اپنے غصے کو ضبط کرتی رخ پھیر گئی۔

''کبھی ہم سے پیار سے بھی بات کر لیا کرو۔'' اسد نے کہا تو رانی نے اسے تیکھی نظروں سے گھورا۔

''یہ فرمائش نیلوفر باجی کے سامنے کرنا۔'' رانی کے انداز پر اسد ٹھٹک گیا۔ آج اس کے تیور ہی بدلے ہوئے تھے۔

''کیا بات ہے جناب! آج مزاج کیوں گرم ہے۔'' اسد کے پوچھنے پر رانی پلٹی۔ اسی وقت اسد نے اس کی کلائی تھام لی۔ رانی نے زور لگا کر اپنی کلائی چھڑوانے کی کوشش کی مگر اسد کی گرفت مضبوط تھی۔

''پیار سے کہو گی تو فوراً چھوڑ دوں گا۔'' اسد نے اس کا مذاق اڑایا۔

''پیار سے تو میں کہتی ہوں۔ ٹھہرو ذرا۔'' اسی وقت پیچھے سے نیلوفر کی تیز آواز گونجی۔ اسد نے بوکھلا کر رانی کا ہاتھ چھوڑا۔ نیلوفر نہانے کے لیے واش روم گئی تو اسد کو یہ موقع غنیمت لگا اور وہ رانی کو تنگ کرنے کے لیے صحن میں پہنچ گیا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ نیلوفر پہلے ہی اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اس لیے نہانے کا ارادہ ترک کر کے جلدی سے واش روم سے نکل آئی اور اسد کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کے لیے وہاں پہنچ گئی۔ اب کمر پر ہاتھ رکھے اسے غصے سے گھور رہی تھی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ رانی ہی مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ بار بار مجھے اپنے پاس بلاتی ہے اور کہتی ہے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں۔''

اسد نے جلدی سے کہانی بناتے ہوئے کہا تو رانی اس کے جھوٹ پر دیکھتی ہی رہ گئی۔

''جاؤ یہاں سے۔'' نیلوفر نے اسد کی طرف انگلی اٹھا کر کہا تو وہ فوراً وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔

''یہ جھوٹ ہے۔'' رانی نے اس کے جانے کے بعد کہا تو نیلوفر تیزی سے آگے بڑھی۔

''جھوٹ ہے یا سچ مگر میں اب مزید تمہیں

www.PakiBooks.Site

اپنے گھر میں برداشت نہیں کرسکتی۔ میرے شوہر کی فطرت کا کمینہ پن میں دیکھ چکی ہوں۔ مگر میری مجبوری ہے کہ میں اپنے بچوں کی وجہ سے اس شخص کو نہیں چھوڑ سکتی! بہتر ہے کہ تم ہی یہاں سے چلی جاؤ۔'' نیلوفر نے کہا تو رانی پریشان ہوگئی۔

''مگر میں کہاں جاؤں گی۔ اس شہر میں اجنبی ہوں میں تو۔'' رانی نے کہا تو نیلوفر نے اس کی طرف دیکھا۔

''تم اس شہر میں اجنبی نہ بھی ہوتیں تو تمہیں پہلے ہی اپنے والدین کے گھر جانا چاہیے تھا۔ جہاں بھی جاؤ گی۔ اسد جیسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا کیونکہ تم جیسی لاوارث لڑکیاں ہر مرد کے لیے تر نوالہ ثابت ہوتی ہیں اور ضروری نہیں کہ تم ہر بار بچ بھی جاؤ۔'' نیلوفر نے حقارت سے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ رانی کام ادھورا چھوڑ کر پریشانی سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھنے لگی۔

وہ چلتی ہوئی گھر کے اگلے حصے کی طرف آگئی۔ امرود کے درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنی بدقسمتی پر روتی رہی۔ اسی وقت گیٹ زور سے بجا اور ساتھ ہی کسی نے بیل بجائی۔ رانی قریب ہونے کی وجہ سے اٹھی اور گیٹ کی کھڑکی میں سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''کون ہے۔'' سامنے کھڑے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ چونک گئی۔

''رانی۔'' خدابخش نے پکارا۔ تو رانی بے اختیار گیٹ کھول کر دوڑتے ہوئے اپنے باپ کے سینے سے لگ گئی۔

''ابا۔ آپ نے مجھے ڈھونڈ لیا۔'' رانی کا سارا غصہ، ساری ناراضی، اسی پل ختم ہوگئی۔ خدابخش کا دل بھی موم ہوا اور وہ مدھم لہجے میں بولا۔

''پگلی۔ تجھے در در کی ٹھوکر کھانے کے بجائے، اپنے گھر آنا چاہیے تھا۔ چل آ۔ میں تجھے لینے آیا ہوں۔''

''یہ کون ہے رانی۔'' اسی وقت نیلوفر اور اسد بھی باہر آگئے۔ ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر وہ دونوں بھی چونک گئے۔

''میرے ابا۔ مجھے لینے آئے ہیں۔'' رانی نے فخریہ انداز میں کہا۔

''تیرے ابا۔'' نیلوفر نے حیرت سے دہرایا۔ اسد وہاں سے رفو چکر ہوگیا۔ رانی نے ابا کو لان میں بٹھا کر جلدی جلدی اپنا مختصر سا سامان باندھا۔

''ابا ایک منٹ۔ میں راضیہ باجی سے مل لوں۔'' رانی نے کہا تو خدابخش سر ہلا کر اس کے ساتھ چل پڑا۔ خدابخش نے رانی کی دوست سلمٰی سے کسی نہ کسی طرح معلومات حاصل کرلی تھیں۔ راضیہ بہت محبت اور خوش دلی سے ملی۔ خدابخش کو عزت کے ساتھ بٹھا کر چائے کے ساتھ کئی لوازمات پیش کیے کہ وہ اس کی مہمان نوازی کے دل سے گرویدہ ہو گئے۔

''رانی بہت ذہین لڑکی ہے۔ کچھ مہینوں میں اس کے امتحان ہونے والے ہیں۔ جب داخلے جائیں گے تو میں فون پر تمہیں بتادوں گی جب بھی بھی میری مدد کی ضرورت پڑے تو مجھے اپنی بڑی بہن سمجھ کر آواز دینا۔'' راضیہ کے کہنے پر رانی کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ اب تک سب سے مخلص رشتہ اسے راضیہ کی صورت میں ہی ملا تھا۔ خدابخش بھی راضیہ کی بے لوث محبت سے متاثر نظر آرہا تھا۔

''اچھا۔ اب ہم چلتے ہیں۔ رب راکھا۔'' خدابخش نے کہا اور راضیہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر باہر نکل گیا۔ رانی بھی راضیہ سے مل کر دکھی دل کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئی۔ رانی نے وہاں تقریباً آٹھ ماہ کا وقت گزارا تھا۔ وہ جب اپنے گاؤں سے اکرم کے سنگ رخصت ہوئی تھی، تو ایک ڈری سہمی، دنیا سے انجان لڑکی تھی۔

چار سال بعد جب اکرم نے اسے طلاق دے کر گھر سے نکالا، تو وہ سسرال کے ظلم وستم کا شکار ایک مظلوم عورت تھی مگر اب جب وہ شہر سے واپس گاؤں کا سفر کر رہی تھی تو وہ زمانے کو پرکھ کر اور زمانے کی سازشوں میں طاق، ایک چالاک عورت کا روپ

www.PakiBooks.Site

دھار چکی تھی جس نے اپنی آنے والی زندگی کو اپنی مرضی اور طریقے سے گزارنے کے بارے میں سوچ لیا تھا۔

☆☆☆

بڑے سے گراؤنڈ میں وہ ایک سنگی بینچ پر خاموش بیٹھا آس پاس کھیلتے بھاگتے بچوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت رش معمول سے بہت کم تھا کیونکہ ویک اینڈ ہونے کی وجہ سے زیادہ تر بچے اپنے اپنے گھر جا چکے تھے۔ عادل جب سے یہاں آیا تھا، اسی طرح اداس اور الگ تھلگ رہتا۔ اسے اپنی ماں اور رمشا بہت یاد آتے تھے۔ رمشا کی فکر اسے بے چین رکھتی مگر وہ اپنی بہن کے لیے کچھ بھی کرنے سے قاصر تھا۔

''میں تھوڑا سا بڑا ہو جاؤں تو رمشا کو اپنے ساتھ کہیں دور لے جاؤں گا۔'' روز کی طرح عادل نے خود کو ایک عہد سے باندھا۔

''بھائی۔'' اس کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔ عادل نے چونک کر دیکھا۔ رمشا کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑا اور فوراً اسے گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگا۔

''رمشا میری بہن۔'' عادل اسے گول گول گھماتے ہوئے ہنس رہا تھا۔ رمشا کی کھلکھلاتی ہوئی ہنسی بھی اس میں شامل تھی۔ کچھ دور کھڑے فیصل نے بہت محبت سے اس منظر کو دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے رانیہ کے دل کو بھی کچھ ہوا۔

''میں نے ان بچوں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔''

اس کے ضمیر نے پہلی کروٹ لی اور بہت غلط وقت پر لی۔ ابھی تو اس نے ابتدا کی تھی۔ ابھی تو اس نے اس راہ پر بہت آگے تک جانا تھا۔

عادل کی نظر فیصل اور نک سک سے تیار رانیہ پر پڑی تو وہ رک گیا۔ رمشا کو گود سے اتار کر اس نے رخ پھیر لیا۔ فیصل تیزی سے آگے بڑھا۔

''عادل بیٹا۔ تم اب تک مجھ سے ناراض ہو۔'' فیصل کے پوچھنے پر بھی وہ خاموش کھڑا رہا۔

''اچھا سوری۔ میں اپنی غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔'' فیصل نے صلح کا پرچم لہرایا۔

''عادل بری بات بیٹا۔ پاپا سوری کہہ تو رہے ہیں۔'' رانیہ نے درمیان میں لقمہ دیا تو عادل نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''اس دن پاپا سے بھی تو میں نے سوری کیا تھا مگر انہوں نے تو مجھے معاف نہیں کیا تھا۔'' عادل کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ وہ دونوں ساکت رہ گئے۔ فیصل کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے جلد بازی میں بہت بڑی غلطی کر دی تھی۔ اپنی اولاد کو خود سے ہی بدظن کر کے۔

''بھائی پلیز۔ اب اور نہیں لڑنا۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ بھائی وعدہ کرو کہ آپ مجھ سے ملنے گھر آؤ گے۔ نہیں تو میں بھی امی کی طرح مر جاؤں گی۔ ان کے پاس چلی جاؤں گی۔''

رمشا روتے ہوئے عادل سے لپٹ گئی۔ رانیہ اور فیصل اس کے الفاظ پر لرز کر رہ گئے۔

''میرے بچے۔'' فیصل نے دونوں کو گلے سے لگا لیا۔ رانیہ نے رخ پھیر لیا۔ وہ اس وقت خود بھی اپنے اندر کی حالت کو نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

''میں تمہارے پرنسپل سے بات کروں گا اور بہت جلد تمہیں واپس گھر لے جاؤں گا۔''

فیصل کے کہنے پر عادل نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ فیصل نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ رمشا نے عادل کا بازو اتنی زور سے پکڑا ہوا تھا جیسے وہ کہیں بھاگ جائے گا۔ ایک گھنے سایہ دار درخت کے نیچے چادر بچھا کر وہ چاروں بیٹھ گئے۔ رانیہ نے اپنے ساتھ لائے ہوئے سامان کو کھول کر ہر چیز ترتیب سے سامنے سجا دی۔

''آج میں اپنے بیٹے کو، اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاؤں گا۔''

فیصل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ عادل کو خود میں چھپا لے۔ فیصل نے ایک پلیٹ میں اس کی ساری من پسند چیزیں ڈالیں اور بہت محبت سے ایک

www.PakiBooks.Site

ایک نوالہ بنا کر عادل اور رمشا کو کھلانے لگا۔ رانیہ کے اندر کی سوتیلی ماں سوئی ہوئی تھی اس لیے اسے اس منظر کو دیکھ کر تکلیف نہیں ہوئی۔ رمشا کا چہرہ تھوڑی دیر میں ہی کھل اٹھا تھا۔

کافی سارا وقت وہاں گزار کر واپسی پر آتے ہوئے عادل کو بھی اپنے ساتھ لے آئے۔ چار دن اس نے رمشا کے ساتھ مستی کرتے ہوئے گزارے تھے۔ فیصل ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہتا۔

''فریحہ آپی۔ آپ نے ٹھیک کہا تھا میں نے جلد بازی میں فیصلہ کیا تھا مگر شکر ہے کہ مجھے بہت جلد سمجھ آ گئی۔ میں عادل کو واپس گھر لے آؤں گا۔''

فیصل نے فریحہ کو فون پر اطلاع دی تو وہ بھی خوشی سے کھل اٹھیں۔

''اللہ تیرا شکر ہے۔'' فریحہ نے کہا۔

''بس میرے بھائی۔ بہت سوچ سمجھ کر اور توازن کے ساتھ دونوں رشتوں کو لے کر چلنا۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔''

فریحہ کے کہنے پر فیصل ان شاء اللہ کہہ کر رہ گیا۔ چھٹیاں ختم ہوئیں تو فیصل عادل کو چھوڑنے ہاسٹل گیا۔

''پاپا میں آپ کا انتظار کروں گا۔ جلدی آنا۔'' عادل نے کہا تو فیصل نے پورے یقین سے وعدہ کیا۔

عادل امید کی ڈور تھامے پہلی بار خوشی خوشی ہاسٹل گیا۔

☆☆☆

''رانیہ! مجھے ایک ضروری کام کی وجہ سے تین دن کے لیے شہر سے باہر جانا پڑ رہا ہے۔ میری عادل کے پرنسپل سے بات ہوگئی ہے۔ تھوڑی سی فارمیلیٹی ہے۔ وہ تم دیکھ لینا اور عادل کو کل گھر واپس لے آنا۔ بہت مشکل سے پرنسپل صاحب مانے ہیں۔ وہ تو کہہ رہے تھے کہ یہ سیشن مکمل ہونے دوں مگر میں نہیں مانا۔''

فیصل نے اپنا بیگ پیک کرتے ہوئے تفصیل سے بتایا تو میگزین کے ورق پلٹتی رانیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اگلے دن فیصل چلا گیا۔ رانیہ نے وہ سارا دن گھومنے پھرنے اور شاپنگ کرنے میں گزارا۔ شام ڈھلے وہ گھر لوٹی تو رانیہ نے اپنی سینڈل اتاری اور دونوں پاؤں اوپر کر کے ہلکے ہاتھوں سے اپنے پیروں کو دبانے لگی۔

''اف فیصل نے بھی کیا ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے۔'' عادل کو ہاسٹل سے واپس لانے والی بات یاد آئی تو منہ بنا کر رہ گئی۔

''آج تو دن گزر گیا۔ کل ہی جاؤں گی۔'' رانیہ نے کہتے ہوئے رجو کو آواز دی اور گرم چائے لانے کا کہا۔ عادل اور رمشا پر اس کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ اس لیے اب اسے کوئی فکر نہیں تھی کہ واپس آ کر عادل اس سے لڑائی مول لے گا۔ وہ عادل اور رمشا کے ذہن پر اپنا گہرا نقش بنا کر مطمئن تھی۔

''اب ان بچوں کو کنٹرول کرنا آسان ہوگا اور جب میرا بچہ ہو جائے گا تو سب ساری گیم ہی میرے ہاتھ میں آ جائے گی۔'' رانیہ نے مطمئن ہو کر سوچا۔

☆☆☆

''کیا کہہ رہے ہیں آپ۔'' فیصل ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھا۔ ساتھ بیٹھی رانیہ کے چہرے کا رنگ بھی فق ہو گیا۔

''دیکھیے فیصل صاحب۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کا بچہ پہلے ہی ہاسٹل آنے پر رضامند نہیں تھا۔ اب جیسے ہی اسے موقع ملا وہ ہاسٹل سے بھاگ گیا۔ ہم اسے ڈھونڈنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں مگر پلیز یہ بات یہاں سے باہر نہ نکلے۔ ہمارے ادارے کی بدنامی ہوگی۔'' پرنسپل نے التجائیہ انداز میں کہا تو فیصل بھڑک اٹھا۔

''واٹ ربش! میرا بچہ لاپتا ہے اور آپ کو اپنے ادارے کے نام کی پڑی ہوئی ہے۔ اتنی سیکیورٹی کے ہوتے ہوئے بچہ باہر کیسے چلا گیا۔ مجھے میرا بچہ ہر حال میں چاہیے۔ نہیں تو میں اس ادارے کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔'' فیصل نے غصے سے بپھر کر

www.PakiBooks.Site

اسلام علیکم!

ہمیں اپنے Blog Kitabdost

http://kitabdostpk.blogspot.be

اور readingpoint

http://readingpointpk.blogspot.be

کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں

maisrasultan@gmail.com

فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

کہا۔کل جب رانیہ عادل کو لینے ہاسٹل گئی تو اسے خبر ملی کہ عادل ہاسٹل سے فرار ہوگیا۔ رانیہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اس نے فوراً فیصل کو فون کیا۔ فیصل پہلی دستیاب فلائٹ سے وہاں پہنچا اور اب مسلسل پرنسپل اور وارڈن کے ساتھ ساتھ باقی اسٹاف سے بھی باز پرس کر رہا تھا۔

بچے کی گم شدگی نے وہاں ایک بھونچال مچا دیا۔ جسے دبانے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بچہ غائب کیسے ہو گیا۔ وارڈن کے کہنے پر پرنسپل نے بھی سارا ملبہ بچے پر ہی ڈال دیا کہ وہ وہاں رہنا ہی نہیں چاہتا تھا اس لیے بھاگ گیا۔

''یہ کیسے ممکن ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں اسے واپس لے جاؤں گا پھر وہ کیوں بھاگے گا۔'' فیصل چیخ چیخ کر بول رہا تھا۔

''فیصل حوصلہ کریں۔ ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ پولیس میں رپورٹ کریں۔''

رانیہ کے کہنے پر فیصل نے اثبات میں سر ہلایا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا پرنسپل کے آفس سے باہر نکلا۔ رانیہ اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

☆☆☆

''ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔ میرا عادل۔'' فیصل نے روتے ہوئے کہا۔ فریحہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ عادل کی گم شدگی کی خبر سنتے ہی وہ پہلی فلائٹ سے پاکستان آ گئی تھیں۔ فیصل اپنے تمام ذرائع کو بروئے کار لا کر بیٹے کی تلاش کر رہا تھا۔ پولیس کے اعلا افسران سے لے کر میڈیا تک اس کیس میں شامل ہو چکا تھا۔ ہر پل امید اور ناامیدی کے درمیان جھولتے ہوئے ان سب کی حالت ابتر ہو چکی تھی۔ فیصل کچھ دنوں میں ہی صدیوں کا بیمار نظر آنے لگا۔ رمشا خوف زدہ ہو کر سب کے چہرے دیکھتی۔ بار بار فریحہ سے پوچھتی۔

''پھپھو۔ بھائی کہاں ہے؟'' فریحہ اسے دعا کرنے کا کہتے ہوئے خود بھی رو پڑتیں۔ رانیہ بھی دل میں عادل کے ملنے کی دعا کرتی۔ وہ عادل اور رمشا کو اپنے کنٹرول میں ضرور رکھنا چاہتی تھی مگر وہ انھیں کوئی نقصان پہنچا کر، اپنا گھر خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ فیصل کا حال پاگلوں والا ہو گیا۔ نہ اسے اپنے کام کی فکر رہی اور نہ اپنی حالت کی۔ وہ بس دن رات اپنے بیٹے کی تلاش میں سرگرداں رہتا۔

''عادل نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں جلدی اسے لینے آؤں گا مگر دیکھیں آپی۔ کتنی دیر ہو گئی ہے!''

فیصل کی باتیں فریحہ کا دل چیر دیتیں۔

☆☆☆

وہ صبح سویرے گھر سے نکلی۔ ایک طویل سفر، جو بہت تیزی سے طے ہو رہا تھا۔ اتنی ہی تیزی سے وہ اپنے ماضی کے ورق پلٹتی گئی۔ جہاں کسی صفحے پر وہ مظلوم تھی اور کسی صفحے پر ظالم۔ اسے یاد تھا کہ وہ ابا کے ساتھ جب نیلوفر کے گھر سے نکل کر واپس گھر گئی تو بالکل ایک نئی رانی کے روپ میں گئی تھی۔ اب وہ ابا سے ڈرتی نہیں تھی۔ وہ اپنی مرضی سے جینا جان گئی جب ابا نے اس کی شادی کی بات کی تو رانی نے اپنے باپ سے لڑنے کے بجائے بہت محبت اور سمجھ داری سے اپنا مقدمہ لڑا۔ اس نے اپنے باپ کو یقین دلایا کہ وہ پڑھ لکھ کر شہر میں بہت اچھی نوکری کرے گی اور اپنے باپ کا سہارا بنے گی۔ خدا بخش تھوڑی شش و پنج کے بعد مان گیا۔ اگر رانی اپنا بوجھ خود اٹھانا چاہتی تھی تو اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔

رانی نے راضیہ باجی کی مدد سے جیسے تیسے ایف۔اے کر ہی لیا۔ پھر وہ ضد کر کے لاہور آ گئی اور راضیہ باجی کے پارلر میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے لیے کوئی اور نوکری بھی تلاش کرنے لگی۔ اس دوران وہ گاؤں کی سیدھی سادھی عام سی رانی سے، شہر کی ماڈرن اور فیشن ایبل رانیہ میں تبدیل ہو گئی۔ اس نے اپنے اٹھنے بیٹھنے سے لے کر بول چال تک بہت محنت کی۔ وہ راضیہ باجی یا دوسری لڑکیوں کی منہ سے انگلش کے جو بھی لفظ یا جملے سنتی، تھوڑی سی محنت اور پریکٹس کے بعد وہ بھی ویسے ہی بولنا شروع

Monthly Shuaa December 2018
www.PakiBooks.Site

کر دیتی۔ وقت کے ساتھ ساتھ رانی کی شخصیت بہت نکھر گئی اور راضیہ باجی کے جاننے والے ایک رشتے دار کے ذریعے ہی رانی کو فیصل کے آفس میں ریسپشنسٹ کی جاب ملی۔

رانی نے بہت پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ اب کی بار وہ شادی اپنی مرضی اور پسند سے کرے گی۔ فیصل اپنی شان دار شخصیت کی وجہ سے اسے پہلی نظر میں ہی اچھا لگا اور وہ آفس میں فیصل کے آگے پیچھے رہنے لگی مگر اس طریقے سے کہ اس کا امیج خراب نہ ہو اور فیصل اس کی موجودگی کا نوٹس بھی لے لے۔ فیصل اپنی بیوی کی موت کے بعد دوسری شادی کرنا تو چاہتا تھا مگر وہ تو جانتا تھا کہ کوئی بھی عورت اس کے بچوں کو بہت آسانی سے قبول نہیں کرے گی۔ رانیہ کا عام سا بیک گراؤنڈ جانتے ہوئے بھی اسے رانیہ اپنے بچوں کے حق میں بہتر لگی۔ رانیہ اس کے بچوں کے بارے میں جس طرح فکر مند ہوتی، اسے مختلف مشورے دیتی۔ فیصل کو لگا کہ رانیہ اس کے بچوں کے لیے بہت اچھی ماں ثابت ہوگی مگر اس سوچ کے باوجود، فیصل نے پہلے اپنے بچوں اور رانیہ کو ایک دوسرے سے مانوس کروایا۔ وہ ویک اینڈ پر کوئی نہ کوئی آؤٹنگ کا پروگرام بنالیتا۔

رانیہ سب سمجھ گئی۔ اس کی انا ہرٹ تو ضرور ہوئی مگر فیصل اسے ایک مضبوط پناہ دے سکتا تھا۔ رانیہ نے مختصر لفظوں میں اسے اپنی پہلی شادی کے بارے میں بتایا۔ اکرم ایک آوارہ اور برا شخص تھا یہ کہہ کر اس نے فیصل کی ہمدردی بھی حاصل کر لی۔

رانیہ نے جیسا سوچا، اسے ویسا مل ہی گیا۔ اس شادی سے پہلے ہی اس نے سب پرانے رشتے توڑ دیئے۔ حتیٰ کہ اپنے والدین سے بھی ملنا جلنا چھوڑ دیا۔

فیصل سے نکاح کرتے ہوئے اس نے یہ ہی کہا کہ میرے والدین اس شادی کے لیے نہیں مان رہے ہیں۔ فیصل کو اس کے ماضی سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اس لیے اس نے زیادہ باز پرس نہیں کی۔ یوں وہ رانیہ فیصل بن کر اپنی قسمت پر نازاں، شطرنج کی نئی بساط بچھا کر بیٹھ گئی۔

عادل باپ کا رویہ بدل جانے پر بے حد خوش تھا۔ اسے لگنے لگا تھا کہ وہ اب پھر سے پہلے کی طرح اپنے گھر میں اپنے باپ اور بہن کے ساتھ خوشی خوشی رہ سکے گا۔ لیکن اس کی یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی۔

وہ جب سے ہاسٹل آیا تھا، وارڈن کی ضرورت سے زیادہ عجیب سی نظروں کا شکار رہتا۔ وہ کوئی نہ کوئی وجہ بنا کر اسے اپنے آفس میں بلا لیتا۔ کرسی پر بٹھا کر باتیں کرتا اور اس کا ہاتھ تھام کر دلاسے کے انداز میں تھپکتا رہتا۔

پہلے پہل تو وہ اسے وارڈن کی شفقت سمجھتا رہا لیکن بڑھتی عمر کا باشعور بچہ تھا۔ وارڈن کے رویے میں کچھ تو ایسا تھا کہ وہ اب اس سے خوف زدہ رہنے لگا۔

عادل کو باپ یاد آنے لگا اور گھر کی چار دیواری بھی۔ جہاں وارڈن جیسا کوئی بھی شخص موجود نہیں تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ آیا وہ اس انسان کی نظروں سے اوجھل کیوں ہونا چاہتا تھا، کیوں اس سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔

پھر ایک روز فیصل، رمشا اور رانیہ اس سے ملنے آ گئے۔ تب فیصل نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اسے اپنے ساتھ واپس لے جائے گا۔ اسی رات وارڈن نے پلان بنایا۔ اتنا تو وہ سمجھ ہی گیا تھا کہ عادل گھر والوں سے یا کسی بھی دوسرے انسان سے کسی بھی قسم کی بات شیئر نہیں کر سکے گا اور یہی ایک وجہ تھی کہ وارڈن عادل جیسے مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ رکھنے والے بچے کے ساتھ بھی ایسی حرکت کرنے سے نہیں چوکا۔

عادل وارڈن کے بلاوے پر بغیر کوئی سوال جواب کیے اس کے ساتھ چل پڑا۔ وارڈن اس ہاسٹل میں بنے گودام کی جانب لے جانے لگا۔ تب ہی وارڈن کا شریک جرم اس ہاسٹل کا چوکیدار بھی وہاں پہنچ گیا۔ ان دونوں کی گفتگو کچھ ایسی تھی کہ وہ نہ سمجھتے ہوئے بری طرح

Monthly Shuaa December 2018
www.PakiBooks.Site

خوف زدہ ہوا اور وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی۔

عادل میں نہ جانے اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی کہ وہ ان دو مردوں کے چنگل سے نکل کر بھاگ گیا۔

☆☆☆

گم شدگی کے بعد کہیں عادل کے ملنے کی نوید سنائی دی تو وہ دونوں میاں بیوی جیسے خوشی سے پاگل ہو گئے۔ رانیہ عادل کی گم شدگی کے بعد سے اپنی خالی کوکھ کا غم بھی بھول گئی تھی۔ اسے یاد تھا تو صرف اتنا کہ ایک بچہ اس کے حسد اور نفرت کی وجہ سے آج اپنے گھر والوں سے دور نہ جانے کس حالت میں ہے۔ وہ اب اپنے بچے کے لیے نہیں بلکہ عادل کے لیے دعائیں مانگ کرتی تھی اور یہ اس کی نیک نیتی ہی تھی کہ اس گھر میں پھر سے عادل چلتے پھرتے، ہنستے بولتے دکھائی دینے لگا۔

ہاسٹل سے بھاگنے کے بعد وہ ایک گاڑی سے ٹکر کھا کر حادثے کا شکار ہوا لیکن گاڑی والا اسے وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ایک خدا ترس بزرگ اسے نہ صرف ہسپتال لے کر گئے بلکہ اس کا علاج بھی کروایا۔ عادل ذہنی دھچکے کا شکار، نہ بولتا تھا اور نہ ہی کسی بات کا جواب دیتا۔ وہ بزرگ اسے اپنے ساتھ گھر لے آئے۔

یہ آٹھ ماہ عادل نے ان کے ساتھ گزارے، یہ تو اس کا نصیب اچھا تھا کہ وہ ہر مصیبت سے بچ کر محفوظ پناہ گاہ میں جا پہنچا۔

جب عادل کے زخم مکمل مندمل ہو گئے اور وہ اتنی محبت اور توجہ کے بعد بہتر محسوس کرنے لگا تب اس نے ان بزرگ کو ساری کہانی بتائی۔ ساتھ ہی اپنے گھر کا نمبر بھی دیا اور تب عادل واپس اپنے والدین کے پاس پہنچا۔

☆☆☆

''رمشا! جلدی سے پونی بنوالو۔ پھر وین آ جائے گی تو تمہارا ناشتا بھی رہ جائے گا۔'' رانیہ مسلسل رمشا کو آواز دے رہی تھی لیکن وہ واکر میں بیٹھے اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں سے کھیل رہی تھی قیصل اور عادل ناشتا کی میز پر بیٹھے مسکراتے ہوئے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

اسی وقت رمشا کی وین کا ہارن بجا اور وہ شور مچاتی، خدا حافظ کہہ کر عادل کے پیچھے باہر کی طرف بھاگی۔ اس کے کچھ دیر کے بعد قیصل بھی آفس چلا گیا۔ رانیہ رجو کو ناشتہ کا کہہ کر دونوں بچوں کو لے کر لان میں آ گئی۔ رانیہ نے سکون کے ساتھ لان چیئر کی پشت سے ٹیک لگائی اور اپنے خوب صورت گھر کو دیکھتے ہوئے اس کے دل میں خیال آیا۔

''میرے رب تُو کتنا مہربان ہے۔ کتنی جلدی تُو نے میری توبہ سنی۔ مجھے زندگی سنوارنے کا ایک موقع اور دیا۔ میں جب اپنے سفر پر چلی تو میرے کاسۂ ذات میں نیت کے کھوٹے سکوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ٹھیک کہا تھا کسی نے کہ.....''

رانیہ کو کئی سال پہلے درگاہ میں، کالی چادر میں لپٹی وہ عورت یاد آئی تھی۔

''اس کی بارگاہ میں اپنی ذات کا کاسہ جب بھی پھیلاؤ، اس میں کبھی جھوٹ، منافقت مت شامل کرنا۔ خاص کر کسی کی بھی دل آزاری کے کھوٹے سکے لے کر اپنے دکھوں کا سودا مت کرنا۔''

اور اتنے امتحانوں کے بعد بالآخر رانیہ عرف رانی نے اپنے کاسۂ ذات میں نیت کے خالص سکے ڈالنا سیکھ لیا تھا اور اسے امید تھی کہ اس بار اس کی اولاد اس کی بدنیتی کا شکار نہیں ہوگی۔

☆

www.PakiBooks.Site